جامعہ مدنیہ لاہور کا ترجمان

علمی دینی اور اصلاحی مجلّہ

انوارِ مدینہ

لاہور

بیاد

عالمِ ربّانی محدّث کبیر حضرۃ مولانا سیّد حامد میاں رحمہ اللہ

بانی جامعہ مدنیہ

نگران

مولانا سیّد رشید میاں مدظلہ

مہتمم جامعہ مدنیہ، لاہور

جولائی ۱۹۹۴ء

محرم الحرام ۱۴۱۵ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ آغاز

سیّد محمود میاں

نحمدہ ونصلّی علی رسولہ الکریم

اما بعد! چند ماہ سے یہ خبر گشت کر رہی تھی کہ حکومت مساجد میں اذان اور خطبۂ مسنونہ کے سوا لاؤڈ اسپیکر کے استعمال پر پابندی لگانے کی تیّاری کر رہی ہے۔ مختلف طبقات کی طرف سے اس پر اظہار رائے کیا گیا کسی نے فیصلہ کی موافقت میں دلائل دیے کسی نے مخالفت میں تاہم موافقین کے دلائل وزنی اور واقعی تھے جبکہ فیصلہ کے مخالفین کی دلیل صرف یہ تھی کہ یہ دین میں مداخلت اور تبلیغ میں رکاوٹ ڈالنا ہے۔

حالانکہ اسپیکر کے استعمال پر پابندی سے نہ تو دین میں مداخلت ہوتی ہے نہ ہی تبلیغ میں، اگر علماء کی تقریر یا درس وتدریس پر پابندی لگائی گئی ہوتی تو البتّہ اس کو دین اور اس کی تبلیغ میں رکاوٹ قرار دینا بجا ہوتا لیکن اس قسم کا احمقانہ فیصلہ کرنے کی کوئی بھی حکومت جُرأت نہیں کر سکتی کیونکہ اس کے نتیجہ میں خود بخود جو ردِّ عمل ہوتا وہ اتنا شدید ہوتا کہ کوئی حکومت اس کا مقابلہ نہ کر سکتی۔

لہٰذا ہمارے خیال میں لاؤڈ اسپیکر کے بیجا استعمال پر پابندی ایک مستحسن اقدام ہے اس کے بہت ہی مفید نتائج مرتّب ہو سکتے ہیں جبکہ بہت سے مفاسد بالخصوص فرقہ واریت اور طبقاتی منافرت میں نمایاں کمی متوقع ہے، چنانچہ مذہب دوست افراد

بالخصوص علماء کرام اس فیصلہ کی افادیت کا احساس کرتے ہوئے اس کو کامیاب بنانے کی بھرپور کوشش کریں۔ یہ بات امرواقع ہے کہ اسپیکر کے بیجا اور کثرتِ استعمال سے عام آدمی بالخصوص قرب وجوار میں رہنے والے لوگ بہت بیزار ہیں۔ اس سے مریضوں کو بہت تکلیف ہوتی ہے آرام کرنے والا آرام نہیں کرسکتا۔ عورتیں جن کو شریعت نے گھروں ہی میں عبادت کرنے کا حکم دیا ہے۔ اطمینان سے عبادت نہیں کرسکتیں آبادی کے اعتبار سے عورتیں مردوں کا تقریبًا نصف ہیں، نتیجۃً مسجد کے قرب وجوار کی آدھی آبادی پُرسکون عبادت کی لذت سے محروم رہتی ہے۔ اور عام طور پر اسپیکر کی آواز اتنی زوردار ہوتی ہے کہ اس کی گونج کی وجہ سے مسجد کے اندر اور باہر کسی کو بھی سمجھ میں نہیں آتا کہ خطیب صاحب کیا فرما رہے ہیں۔ بعض مساجد میں روزانہ یہ معمول ہوتا ہے کہ فجر کی نماز بلکہ بعض اوقات اذان سے بھی پہلے اسپیکر پر تقریر یا ذکر وغیرہ شروع کر دیا جاتا ہے بعض اوقات تو کیسٹ لگا دیا جاتا ہے جبکہ مسجد میں ایک بھی آدمی اس کا سُننے والا موجود نہیں ہوتا اور عام طور پر اس قسم کی تقریر یا ذکر کرنے والا عالم یا امام نہیں ہوتا بلکہ محلہ کا کوئی بھی نمازی اسپیکر کھول کر یہ کام شروع کر دیتا ہے اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لوگوں کی نظر میں دین کی بات بے وزن اور علماء بے قدر ہو جاتے ہیں اور یہی چیز دین اور اس کی تبلیغ کے لیے حقیقی معنی میں تباہ کن ہے۔ حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت ابن عبّاس رضی اللہ عنہما کے شاگرد ہیں۔ حدیث نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

ان ابن عبّاس رض قال حدّث	ابن عبّاس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ لوگوں کو ہفتہ
الناس کل جمعة مرة فان	میں ایک بار بیان کیا کرو اگر چاہو تو دو بار اور
ابيت فمرتين فان اكثرت فثلث	زیادہ سے زیادہ تین بار اور لوگوں کو اس قرآن
مرات ولا تمل الناس هذا القرآن	سے بیزار نہ کر دینا اور تمہارے اندر میں یہ
ولا الفينك تاتى القوم وهو	بات ہرگز نہ دیکھوں کہ لوگ اپنی باتوں میں مشغول
فى حديث من حديثهم	ہوں اور تم اُن کی بات کاٹ کر اپنی بات شروع
فتقص عليهم فتقطع	کر دو اور لوگوں کو اکتاہٹ میں ڈال دو بلکہ تم

علیھم حدیثھم فتملھم ولکن انصت فاذا امروك فحدثھم وھم یشتھونہ وانظر السجع من الدعاء فاجتنبہ فانی عھدت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ لایفعلون ذالك (مشکوٰۃ ص۳۶ ج۱)

خاموشی سے اُن کی باتیں سُننا پھر جب وہ تم سے بیان کرنے کو کہیں تب بیان کرنا اس حالت میں کہ لوگوں کو تمہارے بیان میں رغبت ہو، اور دیکھو دُعا میں قافیہ بندی (بناوٹ) سے بہت ہی بچنا کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابۂ کرام کو ایسا کرتے نہیں دیکھا۔

حدیث شریف میں دعوت وتبلیغ اور وعظ و نصیحت کے نہایت ہی زرّیں اُصول سمجھائے گئے ہیں کہ عام لوگوں کی نفسیات جذبات وخواہشات کا خیال رکھو اور وقت بے وقت وعظ و نصیحت کا سلسلہ بھی جاری نہ رکھو۔ لہٰذا علماء کو چاہیے کہ وہ اس کا برمحل استعمال یقینی بنائیں اور کوشش کریں کہ بقدر ضرورت مساجد کے اندرونی اسپیکر پر ہی اکتفا کریں تاکہ عام لوگوں بالخصوص مریضوں کو اس کے شور سے ہونے والی اذیّت سے بچایا جاسکے۔ حدیث شریف میں آتا ہے المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہٖ صحیح مسلمان وہ ہے کہ جس کے ہاتھ اور زبان (کی اذیت) سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔

ابن شُبہّ تاریخ المدینۃ المنورۃ میں حضرت ابو نضرۃ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث شریف نقل کرتے ہیں۔

ان عائشۃ رضی اللہ عنھا قالت لقاصّ المدینۃ ضع صوتك عن جلسائك و تحدّث ما اقبلوا علیك بوجوھم فاذا اعرضوا عنك فامسك و ایّاك والسجع فی الدعاء (ص۱۳ ج۱)

کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے مدینہ منورہ میں وعظ و نصیحت کرنے والے ایک صاحب سے فرمایا، اپنی آواز اپنے ہم نشینوں تک محدود رکھو اور صرف انہی لوگوں کو بیان کرو جو تمہاری طرف پوری طرح متوجہ ہوں اور جب وہ اکتا جائیں تو بیان ختم کر دو اور دیکھو دُعا میں قافیہ بندی سے بچتے رہنا۔

ایک دوسری حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما

سے دریافت کیا۔

قال قلت له اذكرت هذا الحديث عن ابيك ؟ قال نعم قال ارسلت عائشة رضي الله عنها الى عمر رضي الله عنه في قاص كان يقعد على بابها ان هذا قد آذاني وتركني لا اسمع الصوت فارسل اليه فنهاه فعاد فقام اليه ابي عمر رضي الله عنهما بعصاه حتى سرها على رأسه

تاریخ المدینۃ المنورۃ ص۱۵ ج۱

کیا آپ کو اپنے والد صاحب کی یہ حدیث یاد ہے؟ اُنھوں نے فرمایا کہ ہاں اور بتلایا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے میرے والد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ایک قصّہ گو کی شکایت کی جو اُن کے دروازے پر بیٹھا کرتا تھا کہ یہ مجھے اذیّت پہنچاتا ہے اور مجھے اس حال میں کر دیا ہے کہ کان پڑی آواز سُنائی نہیں دیتی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی طرف آدمی بھیج کر منع فرما دیا اُس نے پھر بھی حرکت کی تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ (بہ نفس نفیس) چھڑی لے کر آئے اور اس کے سَر پر اتنا مارا کہ وہ چھڑی ٹُوٹ گئی۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اپنا تجربہ و مشاہدہ بھی یہاں ذکر کر دوں ہمارے جامعہ میں جمعہ کے خطاب کے دوران بقدرِ ضرورت صرف مسجد کے اندرونی اسپیکر پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے جبکہ نمازیوں کا رش جامعہ کی مسجد میں علاقہ کی دیگر مساجد کے مقابلہ میں بحمد اللہ سب سے زیادہ ہوتا ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ آج سے تیس چالیس سال قبل اسپیکر کا استعمال عام نہ تھا مساجد آج کے مقابلہ میں کہیں زیادہ آباد تھیں لہٰذا یہ کہنا دُرست نہیں ہے کہ مساجد کو آباد کرنے میں اسپیکر کا دخل ہے بلکہ اکثر لوگوں کا اب یہ مزاج بن چکا ہے کہ جب خطیب صاحب کی تقریر ختم ہو جاتی ہے تو مسجد میں آتے ہیں اس سے پہلے آنا پسند نہیں کرتے۔ حدیث شریف میں قیامت کی علامات میں سے ایک علامت یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ مساجد میں زور زور سے بولا جانے لگے گا۔ وَظَهَرَتِ الْاَصْوَاتُ

فِی الْمَسَاجِدِ (مشکوٰۃ ص۴۷ ج۲)

البتہ حکومت بھی اس امر کا بہر طور التزام کرے کہ کسی بھی موقع پر کسی بھی فرقہ کا اس معاملہ میں ہرگز استثنا نہ کرے ورنہ تو اس کے فیصلے بے اثر اور مشکوک ہو کر رہ جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے پسندیدہ اعمال پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

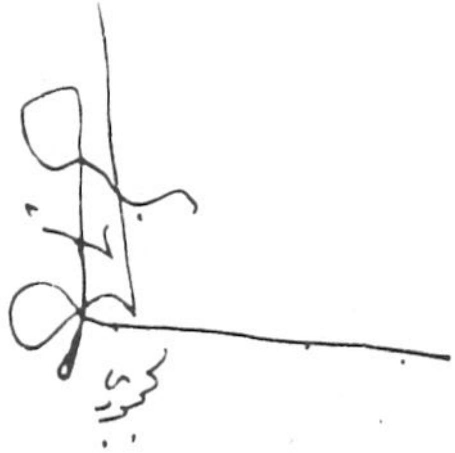

قسط: ۱۵

درسِ قرآن حکیم

از حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ
مہتمم دار العلوم دیوبند
تبویب و تزئین: مولانا نعیم الدین صاحب فاضل و مدرس جامعہ مدنیہ لاہور

ایک شبہہ کا حل یہاں سے انسان کو یہ خیال ہوسکتا ہے کہ اللہ کا لشکر جو ہے وہ تو فرشتے ہیں جو دار السلطنت میں رہتے ہیں آسمانوں کے اندر ہیں جوّ میں ہیں فضا میں ہیں بھلا اتنے لشکر آوے گا۔ اتنے ہم اپنا کام بھی کر لیویں گے تو کیا ضرورت ہے یاد کریں، مقابلہ کے لیے تیاری کر لو اس سے ہم اپنا کام کر گذریں گے۔ بہرحال لشکر کو بنتے کچھ سنورتے دیر لگتی ہے۔ اتنے میں ہمارا کام ہوجائے گا تو کیا مقابلہ ہوگا اس لیے آگے فرمایا کہ أَأَمِنْتُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ أَنْ يَخْسِفَ بِكُمُ الْأَرْضَ تم فرشتوں کے لشکر کو لے رہے ہو یہ زمین بھی تو ہمارا لشکر ہے اگر اس کو ہم زلزلے سے دھنسا دیں اور سب دھنستے ہی چلے جاؤ تو کسی فرشتے کے بھی آنے کی ضرورت نہیں جو زمین فرش بنی ہوئی تھی وہی قبر بن جاتی ہے منٹ بھر کے اندر اسی میں دفن ہوجاتا ہے آدمی، تو أَأَمِنْتُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ أَنْ يَخْسِفَ بِكُمُ الْأَرْضَ کیا آسمان والے سے تم بے پرواہ ہوگئے اگر زمین کو ہم زلزلے میں ڈال دیں اور لگے موجیں مارنے اور جگہ جگہ اس میں دراڑ کھل جائیں اور پناہ نہ ملے تب کیا ہوگا؟ فرشتوں کو آتے آتے اگر بالفرض دیر بھی لگی تو لشکر اوپر کا کیا آئے گا، یہ تو نیچے ہی لشکر موجود اور میں کہتا ہوں زمین بھی بعد کی چیز ہے ایک چیونٹی کو مسلط کر دے کان میں گھس جائے بس زندگی ختم ہے انسان کی، ایک کیڑا مکوڑا ناک میں گھس جائے زندگی ختم ہے انسان کی، تو ایک چیونٹی جسے ختم کر سکتی ہے وہ مطمئن ہو کر بیٹھے گا قادرِ مطلق کی طرف سے کہ فرشتے آویں گے مقابلہ ہو دیکھی جائے گی، فرشتے تو بعد آویں گے جو تمہارا فرشِ خاک ہے وہی تمہارے لئے مقابلہ کا

لشکر ہے اس کی پیداوار میں ایک چیونٹی تمہارا مقابلہ کرسکتی ہے۔

نمرود کی سرکشی اور اسکا انجام

نمرود جیسے عظیم بادشاہ کو جس نے خدائی کا دعوی کیا تھا ابراہیم علیہ السّلام کے زمانہ میں اور اس کا دماغ نیچے آتا ہی نہیں تھا وہ تو کہتا تھا کہ میں رب ہوں، اس کو کیسا نیچا دکھایا کہ ایک مچھر اُس کی ناک میں گھس گیا اور دماغ میں جا کر لپٹ گیا اور وہ پھڑ پھڑ کرتا تھا۔ اَب وہ بے چین تو طریقہ یہ رکھا تھا اُس نے، ایک خادم مقرر تھا کہ وہ جوتے سر پہ مارتا تھا جب جوتے پڑتے تھے تو ذرا دیر کے لیے ٹھہر گیا مچھر، اور جہاں جوتے الگ ہوتے پھڑ پھڑایا، پھر اُس نے خادم کو بلوایا تو جن پر خدائی کا دعوی کر رکھا تھا اُنھیں کے ہاتھ سے جوتے پٹوا دیے سر پر، تو مطلب یہ ہے کہ چیونٹیاں بھی بعد کی چیز ہیں خود انسان ہی کو مسلّط کر دے تمہارے اُوپر جس کو تم اپنا بندہ جانتے ہو خدائی کا دعوی کر رہے ہو اسے ہی جوتیاں دے کر تمہارے سر پر مسلّط کر دے تو کیا کرو گے، تو خالق سے بچ کر کہاں جائے گا آدمی، تو زمین ہے، زمین کی پیداوار ہے اور خود انسان ہے وہ تمہارے حق میں مدمقابل آجائیں گے اور ایک فوج انسانوں کی کھڑی کر دے اور وہ تلواریں لے کر آجائے تو سارا کرّوفرّ رہ جاتا ہے تو انسان ہی انسان کو بتلا دیتا ہے وہ درحقیقت خدا کی طرف سے مسلّط ہوتا ہے لشکر، تاکہ متکبروں کا غرور توڑ دیا جائے نخوت شعاروں کی نخوت توڑ دی جائے، انسان انسان پر مسلّط ہو جاتا ہے تو فرماتے ہیں وَاِلَیْہِ النُّشُوْرُ بہرحال ایک وقت آتا ہے کہ ہماری طرف آؤ گے اور آنے کے سلسلے میں موت بھی قبول کرنی پڑے گی۔

موت کے ہزاروں اسباب ہیں

اور موت کے اسباب ہزاروں ہیں جانور کاٹ لے ہارٹ فیل ہو جائے زمین میں دھنس جائے، کوئی اُوپر سے آپڑے مصیبت، ہزاروں اسباب ہیں کہ جن کے ذریعے سے ہم تک آؤ گے تو اس وقت کو بھی یاد رکھو کہ سدا یہ وقت نہیں رہے گا کہ بلڈنگ بھی ہے دولت بھی ہے کام چل رہا ہے یہ سب وقتی چیزیں ہیں۔ اصل وہی وقت ہے کہ جو آنے والا ہے وَاِلَیْہِ النُّشُوْرُ اسی کی طرف تمہیں پھیل کر جانا ہے تو أَ اَمِنْتُمْ مَّنْ

فِي السَّمَآءِ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ زمین میں ہی دھنسا دے تو کیا ہوگا؟ اَأَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِيَ تَمُوْرُ ۝ اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يُّرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ط کیا تم مطمئن ہو مامون ہو آسمان والے سے اگر پتھر برسا دے آسمان سے، بادل آئیں اور بجائے پانی برسنے کے پتھر برسنے لگیں اور میں کہتا ہوں کہ یہ جو اولے پڑتے ہیں پتھر ہی تو ہیں اسی پانی کو منجمد کر کے جما کر پتھر کی شکل دے دیتے ہیں اگر وہ بڑھ جائیں دو دو سیر کا ایک ایک اولہ پڑنے لگے تو پناہ نہیں مل سکتی، مکان ٹوٹ جاتے ہیں ڈھ جاتے ہیں انسان تو بجائے خود ہے تو کس چیز نے تمہیں مطمئن بنا رکھا ہے مالک کی طرف سے کون سی پناہ گاہ ہے کہ اس سے بچ کر تم اس میں پناہ پالو گے۔

موت سے کسی طرح نہیں بچا جا سکتا اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ اگر تم بڑے بڑے سنگین قلعوں میں، بڑے بڑے پتھر کے برجوں میں، لوہے کے برجوں میں رہو گے موت وہیں جا پکڑے گی، یہ نہیں ہے کہ موت میدان میں آتی ہے اگر برجوں کے اندر تم کوئی مَنْفَذْ ہی نہ رکھو ہوا کا راستہ نہیں تو حبسِ دم ہو کہ آدمی ختم ہو جائے۔ ہوا کا راستہ رکھو تو بھی بہرحال ختم ہو سکتا ہے تو فرشتے موت کے ان کے یہاں نہ سنگین کوئی چیز ہے نہ لوہے کے قلعے کوئی چیز ہیں جیسے بجلی جب آتی ہے تو کتنا ہی بڑا لوہا ہو وہ تو اس کے جگر میں سما جاتی ہے تو ملائکہ تو بجلی سے بھی زیادہ لطیف ہیں وہ ہر چیز میں سما کر اندر دخول کرتے ہیں تو موت کے فرشتے وہیں پہنچ جائیں گے تو فرماتے ہیں کہ زمین بھی سببِ موت بن سکتی ہے پانی بھی سبب موت بن سکتا ہے، بادل بھی سبب موت بن سکتے ہیں اولے برس جائیں، پتھر برس جائیں۔

آخر لوط علیہ السلام کی قوم پر پتھر برسائے گئے اور کیوں برسائے گئے اس لیے کہ انھوں نے حدود سے تجاوز کیا، جائز طریقہ دیا گیا تھا کہ نکاح سے عورتوں کی طرف آؤ انھوں نے لڑکوں کو استعمال کیا۔ اس لواطت کے جرم میں آسمان سے پتھر برسائے گئے اور کوئی پناہ

نہیں پا سکے۔ قوم ثمود اُن کو تباہ کر دیا گیا ایک چنگھاڑ سے جبرئیل علیہ السّلام نے ایک ڈانٹ دی گھُرکی دی کلیجے پھٹ گئے۔ قوم عاد کو ہَوا سے تباہ کر دیا گیا کہ سات دن تک ہَوا کے جھکڑ چلے ہیں اس طرح سے کہ جو مکان گہری گہری بُنیادوں کے تھے مع بنیادوں کے ہَوا نے اکھاڑا اور اُوپر لے جاکر پٹخا نیچے، حدیث میں ہے کہ جب مکان اُوپر جانے تھے تو جانوروں کی آوازیں اُوپر سے سُننے میں آتی تھیں فضا سے مع جانوروں کے مکان اُوپر گئے اور لے جاکر پٹخ دیے گئے تو وہی ہَوا جس سے ہم زندگی حاصل کرتے ہیں وہی موت کا ذریعہ بن جاتی ہے وہی زمین جو فرش تھا ہمارے لیے وہی قبر بنا دی جاتی ہے وہی بادل جو پانی برساتے تھے اور زندگی کا سامان ہوتا تھا وہی ذریعہ موت کا بنے تو ہم تو زندگی کے اسباب کو چاہیں تو موت کا سبب بنا دیں پھر تم مطمئن ہو کر کیسے بیٹھ گئے، کس طرح سے غفلت میں پڑے۔ اس واسطے ادھر توجہ دلائی کہ زمین کا ملک بے شک تمہارے لیے ہم نے کیا، مگر دیکھو دینے والے کو مت بھلاؤ أَأَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَاءِ أَنْ يَّخْسِفَ بِكُمُ الْأَرْضَ زمین میں دھنسا دیے جائیں أَمْ أَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَاءِ أَنْ يُّرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا یا پتھر برسا دیے جائیں آسمان سے فَسَتَعْلَمُوْنَ كَيْفَ نَذِيْرِ اس وقت تمہیں معلوم ہوگا کہ ڈرانے والے کا ہے سے ڈراتے تھے اس وقت تمہیں پتہ چلے گا کہ انبیاء علیہم السّلام نے جن چیزوں سے ڈرایا تھا وہ معاذ اللہ واہی باتیں نہیں تھیں وہ ایک امرِ واقعہ تھا جو ہونے والا تھا تو اس وقت نذیروں کی نذارت کا پتہ چلے گا، ڈرانے والوں کے ڈرانے کا پتہ چلے گا اس وقت تم ایمان لاؤ گے کہ سچ کہتے تھے وہ، لیکن اس وقت ایمان لانے سے کیا فائدہ کہ جب موت سر پر آگئی۔ موت سے پہلے پہلے درجہ ہے ایمان کا بھی اور ڈرنے کا بھی۔

آخرت میں دو قسم کے لوگ ہوں گے

اس میں فرماتے ہیں کہ پھر دو قسم کے لوگ ہوں گے ایک وہ کہ جنہوں نے تصدیق کی اور جو کچھ انبیاء نے فرمایا اُنھوں نے اٰمَنَّا کہہ کر دل میں جگہ دی اور اُن کے طریق پر چلے دُنیا بھی بن گئی اور آخرت بھی اُن کے لیے، ایک جھٹلانے والے تھے۔ جنھوں نے تکذیب کی

اپنے غرور میں آکر کسی نے دولت کے گھمنڈ میں کسی نے رسمی علم کے گھمنڈ میں کسی نے اپنی تھوڑی سی عقل کے گھمنڈ میں وحی کو نہ مانا، انبیاء کی باتوں کو جھٹلایا وَلَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ۝ اس وقت وہ لوگ کہ جو جھٹلانے والے تھے جب وہ انجام بد سامنے آئے گا تب وہ کہیں گے واقعی جو نکیر کی جا رہی تھی وہ اَب سامنے آئی۔

بچّے کی مثال

بالکل اسکی ایسی مثال ہے کہ جیسے ایک بچّہ ماں کے پیٹ میں نو مہینے سے اندر پرورش پا رہا ہے اور وہ یُوں سمجھتا ہے کہ میری زمین اور آسمان بس یہی ہے ماں کا پیٹ اس کا دھیان ہی آگے نہیں جاتا ایک آنے والا وہاں خبر دے کہ جس عالم میں بسر کر رہا ہے یہ تو بہت گندا عالم ہے۔ بہت تھوڑا سا عالم ہے۔ ایک عالم ہے دُنیا بڑا بھاری عالم ہے ماں کے پیٹ جیسے مکان کروڑوں بن سکتے ہیں اس کے اندر تو اگر وہ کم عقل ہے بچّہ تو وہ یُوں کہے گا کہ یہ وا ہی باتیں کہہ رہا ہے بھلے اس سے بڑھ کر کوئی اور عالم ہو سکتا ہے حیض کا خُون مل رہا ہے کھانے کو اور پانی کے اندر مَیں تیر رہا ہوں کتنا اعلیٰ مکان ہے اُس کے بساط میں ہی نہیں ہے کہ وہ دُنیا کو سمجھے اُس نے دُنیا کو جھٹلا دیا لیکن جب پیدا ہُوا اور دنیا میں آیا تو اُس نے دیکھا کہ واقعی ماں کے رحم جیسے تو کروڑوں عالم بن سکتے ہیں اس دُنیا میں، وہاں غذا ملتی تھی گندے خُون کی یہاں اعلیٰ درجے کی مٹھائیاں ہیں غذائیں ہیں تو کہنے والا سچ کہتا تھا۔ مَیں نے جھٹلایا اَب وہ نادم ہے لیکن جب اس دُنیا میں آگئے تو اسی آنے والے نے پھر کہا اَب ایک دفعہ تو جھٹلا چکا ہے اَب میں خبر دیتا ہُوں کہ اس دُنیا کے بعد ایک اور بہت بڑا عالم آنے والا ہے جس کو عالمِ برزخ کہتے ہیں اور وہ اتنا بڑا عالم ہے کہ دُنیائیں جیسی کروڑوں بن سکتی ہیں اس کے اندر، جب ایک میت کے سامنے قبر وسیع کی جائے گی اور حدِّ نظر تک ایک عالم نظر آئے گا تو ایک ایک برزخ والے کو اتنا بڑا ملک ملے گا جیسی ایک دُنیا تو دُنیائیں کروڑوں بن سکتی ہیں عالم برزخ میں سے، اتنا بڑا عالم ہے ہے تو آنے والا کہتا ہے کہ ایک دفعہ تو نہیں سمجھا تھا مگر اَب سمجھ جا، اس کے بعد ایک عالم آنے والا ہے اور اس کے بعد ایک اور عالم آنے والا ہے جس کو عالمِ جنت کہتے ہیں تو یہ برزخ جیسے کروڑوں عالم اس میں سے

بن جائیں وہاں ادنیٰ جنتی کا حصّہ دس دُنیا کے برابر ہوگا یہاں تو ایک ہی دُنیا کے برابر ہے تو جُھٹلانے والے تو اخیر تک جُھٹلاتے چلے جائیں گے اور تصدیق کرنے والے ابتداء سے ہی تصدیق کرتے ہیں کہ یہ بھی سچ کہا کہنے والے نے اگلی بات بھی سچ کہی اس سے اگلی بھی سچ کہی، تو تصدیق کرنے والا امن میں ہے اس لیے کہ جسے مان لیا تھا وہ چیز آگئی اس کی آنکھوں کے سامنے، جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے کہ وَنَادٰٓی اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا۔ اہلِ جنّت کہیں گے ہم نے تو اللہ نے جو وعدے کیے تھے ٹھیک اُس کے مطابق پالیے تمام انعامات ہمیں مل گئے، تمہیں بھی وہ چیز مل گئی جس کا تم سے کہا گیا تھا کہ اگر نہیں مانو گے تو جہنّم ملے گی تو تمہیں مل گیا اللہ کا وعدہ قَالُوْا نَعَمْ کہیں گے ہاں اَب ہم اقرار کرتے ہیں کہ مل گیا، لیکن اس وقت کا اقرار کام نہیں دے گا فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَیْنَهُمْ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِیْنَ ایک نداء کرنے والا نداء کریگا کہ ان ظالموں پر اللہ کی لعنت جواب آکر سمجھے ہیں وہاں ایمان نہیں لائے تو بعد میں ایمان لانا وہ ایمان نہیں ہے وہ تو مجبوری کا ایمان ہے جب موت کے فرشتے سامنے آگئے اور آنکھوں سے نظر آگئے اَب کوئی کہے مَیں ایمان لاتا ہُوں وہ ایمان نہیں۔

ایمان کہتے ہیں غیب کی خبر کے ماننے کو

ایمان کہتے ہیں غیب کی خبر کو ماننا غیب کی خبر اُس نے نہیں مانی وہ تو فرعون کا سا ایمان ہے فرعون نے خُدائی کا دعویٰ کیا موسیٰ علیہ السّلام کی بات نہیں مانی، جب غرق کیا گیا اور گلے گلے پانی آیا تو اُس وقت کہا کہ مَیں ایمان لایا موسیٰ کے خدا پر بنی اسرائیل کے خُدا پر اُس وقت فرمایا گیا آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ اب ایمان لایا اور چار سو برس تک زمین میں فساد پھیلایا وہاں تو موسیٰ کی بات نہ مانی اب کہتا ہے کہ مَیں ایمان لایا تو وہ تو ایمان مجبوری کا ہے جب آنکھوں کے سامنے عذاب آگیا تو اب بھی ایمان نہیں لائے گا، تو اُسے ایمان تھوڑا ہی کہتے ہیں تو وقت کے بعد کسی چیز کو سمجھنا وہ ایسا ہی ہے جیسے مثل مشہور ہے فارسی کی

مشتے کہ بعد از جنگ یاد آید　بر کلّۂ خود باید زد

دُشمن نے جب آکر گھیر لیا اور سب ہتھیار بے کار ہوگئے اس وقت کہا کہ اُفّوہ! قلعے میں فلاں ہتھیار بھی تو رکھا ہُوا ہے تو اَب اس ہتھیار کو اپنے مُنہ پر مارنا چاہیے۔ دُشمن تو قابض ہوگیا تو بعد از وقت جو چیز یاد آتی ہے وہ بے کار ہوتی ہے اس لیے فرمایا جارہا ہے کہ نعمتوں کے زمانے میں یاد کرو ہمیں، جب آپڑی مصیبت اس وقت کا یاد کرنا یاد نہیں کہلائے گا۔

حدیثِ قدسی

ایک حدیث میں ہے حدیثِ قدسی ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں بندوں سے خطاب کرتے ہیں کہ "اے بندے تو اپنی صحت کے زمانہ میں مجھے یاد کرتا کہ تیری بیماری کے زمانہ میں میں تجھے یاد رکھوں اور اے بندے تو اپنی نعمت کے زمانہ میں مجھے یاد رکھ تاکہ تیری مصیبت کے زمانہ میں میں تجھے یاد رکھوں اور اپنی زندگی میں مجھے یاد کرتا کہ تیری موت کے وقت میں تیری دست گیری کروں"۔ جب اس وقت یاد نہ کیا تو موت کے وقت کیا یاد کرے گا۔ اور جب نعمت میں یاد نہ کیا تو مصیبت کے وقت کیا یاد کرے گا؟ تو یاد کرنا وہ ہے کہ قبل از وقت یاد کرے آدمی۔

سات قسم کے آدمی قیامت کے دن عرشِ الٰہی کے سائے میں ہوں گے

اسی واسطے فرمایا گیا حدیث شریف میں کہ سَبْعَۃٌ یُّظِلُّھُمُ اللّٰہُ فِیْ ظِلِّہٖ یَوْمَ لَاظِلَّ اِلَّا ظِلُّہٗ سات قسم کے افراد ہوں گے کہ جن کو قیامت کے دن عرش کے سائے میں جگہ دی جائے گی جبکہ کوئی سایہ نہیں ہوگا بجز اللہ کے سائے کے، اُن میں سے ایک قسم فرمائی گئی کہ شَابٌّ نَشَأَ لِعِبَادَۃِ اللّٰہِ وہ نوجوان جس نے جوانی میں اللہ کو یاد کیا اور عبادت میں گزارا وقت، اس لیے کہ بڑھاپے میں اگر عبادت کرے وہ زیادہ عجیب بات نہیں۔ جب قبر میں پیر لٹکا چکا آدمی دُنیا کی قوتیں جواب دے گئیں جذبات سرد پڑگئے اُمنگ باقی نہیں رہی، کھٹے میٹھے کی طرف کوئی توجہ نہیں رہی اَب بھی اگر اللہ کو یاد نہ کرے گا تو اور کون سا وقت آئے گا تو وہ مجبوری کا یاد کرنا ہے اس لیے فرمایا گیا کہ یاد کرنا وہ ہے کہ جوانی کے زمانہ میں یاد کرلے آدمی جبکہ اُمنگوں کے سبز باغ سامنے ہیں اُمنگیں سامنے ہیں، دُنیا کی بہاریں سامنے ہیں، قوّت اندر موجود ہے، اس وقت ہر

چیز سے کٹ کر آدمی متوجّہ ہو اللہ کی طرف وہ زیادہ عجیب چیز ہے تو وقت آنے سے پہلے پہلے یاد کر لے یہی یاد کہلاتی ہے اور وقت آجانے کے بعد یاد کرے وہ یاد یاد نہیں ہے اس لیے اس آیت میں توجّہ دلائی گئی وَکُلُوْا مِنْ رِّزْقِہٖ وَاِلَیْہِ النُّشُوْرُ زمین سے فائدہ اُٹھاؤ، چلو پھرو ہمارے خزانوں سے منتفع ہو مگر اسے یاد رکھو کہ لوٹ کر ہماری طرف آنا ہے اور

قیامت کے دن ایک ایک ذرّہ کا حساب دینا پڑے گا

حساب دینا پڑے گا اور ایک ایک چیز کا ایک ایک ذرّہ کا حساب دینا ہوگا، اس کو ایک جگہ فرمایا گیا قرآنِ کریم میں کہ ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ یَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِیْمِ پھر قیامت کے دن نعمتوں کا سوال کیا جائے گا تم سے کہاں سے کمایا کس طرح استعمال کیا۔

نعیم کی تفسیر

اور نعیم کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ سردی کے زمانہ میں گرم پانی بھی نعیم ہے پُوچھا جائے گا کہ سردی میں، ہم نے گرم پانی دیا تم نے کیا شُکر ادا کیا اور گرمیوں کے زمانہ میں ٹھنڈا پانی نعیم میں داخل ہے تو سوال کیا جائیگا کہ برستی ہُوئی آگ میں ہم نے تمھیں ٹھنڈا پانی دیا تم نے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہا یا نہیں؟ تم نے توجہ کی ہماری طرف یا نہیں؟ وہاں ایک ایک ذرّہ کا سوال کیا جائے گا، ایک ایک چیز کا اِنَّ اللّٰہَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ یہ ساری اربوں کھربوں مخلوق ہر ایک سے اس کی اربوں کھربوں چیزوں کا سوال کیا جائے گا اور حق تعالیٰ سوال کر لیں گے اور پچاس ہزار برس کا دن رکھا ہے قیامت کا تاکہ ساری اُمتّوں کا حساب اُس دن آجائے تو ایک ایک چیز کا سوال کیا جائے گا تو اس سے پہلے کہ وہاں سوال کیا جائے یہیں اپنے ذہن سے کیوں نہ سوال کرو حدیث میں ہے کہ حَاسِبُوْا قَبْلَ اَنْ تُحَاسَبُوْا قبل اس سے کہ حساب لیا جائے قیامت کے دن تم ہی اپنا کچا چٹھا کیوں نہیں دُرست کر لیتے یہاں، پہلے ہی اپنا حساب کیوں نہیں لے لیتے ایک معمولی سا عمل ہے اگر اسے ہی کر لے آدمی تو ساری زندگی دُرست ہو جائے۔

سونے سے پہلے مراقبہ

آپ بہرحال دِن بھر کام کاج کر کے رات کو پڑ کے سوتے ہیں، چارپائی پر لیٹ کر ایک دس منٹ مراقبہ کر لے آدمی یہ سوچے کہ

آج دن بھر میں مَیں نے کتنی اللہ کی اطاعت کی ہے، کتنی نافرمانی کی، نعمتوں پر کتنا شُکر ادا کیا کتنا غفلت میں گزارا، جتنی چیزیں غفلت میں گزریں، جتنی چیزیں معصیت کی ہوں گناہ کی ہوں سچّے دل سے توبہ کرے اور فرمایا گیا اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَہٗ گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے کہ جیسے کیا ہی نہیں تھا اُس نے گناہ اگر حقوق العباد ہیں تو سوچ لے رات کو پڑ کے کہ کس کس کی حق تلفی کی ہے۔ مال کی حق تلفی، کسی کو گالی دی ہے، کسی کو تیز جملہ کہا ہے کسی کا دِل دُکھایا ہے۔ یہ بھی حق تلفی ہے۔ اگلے دن اس سے معذرت کر لے کہ بھئی وقتی بات تھی جذبہ آگیا تھا۔ مَیں نے تمہیں یہ کہہ دیا تم اللہ کے لیے معاف کر دو، کچّا چٹھا صاف ہوگیا کسی کی چیز زبردستی جھپٹ لی ہے واپس دے دو، اگر وہ خود تمہیں رضا سے دے دے لے کے رکھ لو معاملہ صاف ہوگیا کسی کو گالی دی ہے اس سے معافی مانگ لو معاملہ صاف ہوگیا ———— تو قبل اس کے کہ ان گالیوں کا ان معصیتوں کا وہاں حساب لیا جائے اس سے پہلے ہی کیوں نہ حساب لیا جائے تو اگر روزانہ آدمی سوتے وقت ایک دس منٹ سوچ لے تو دن بھر کی تو ساری باتیں یاد رہتی ہیں کہ کتنی نیکیاں کیں کتنی بدیاں کیں، جتنی بدیاں کی ہیں ان سے توبہ کر لے، جتنی نیکیاں کیں کہے کہ اے اللہ تیرا شُکر ہے مَیں تو اس قابل نہیں تھا کہ یہ نیکی انجام دوں تیری توفیق بخشی سے انجام دیں تو شُکر پر وعدہ ہے کہ لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ جتنا شُکر کرو گے نعمت پر نعمتوں کو میں بڑھاتا جاؤں گا، نیکیوں پر شکر کیا تو نیکیاں بڑھتی جائیں گی اور بدی سے توبہ کی وہ مٹتی رہے گی تو روزانہ اگر آدمی چٹھا صاف کر لے بدیاں مٹا دے نیکیوں میں اضافہ کر لے یہ کونسی مشکل بات ہے اگر پانچ دس منٹ سوچ لیا کرے چارپائی پر لیٹ کر تو روز کا روز حساب ہوتا رہے گا اور اگر نہیں سوچتا اور اس غرضے میں ہے کہ جب موت کا وقت آئے گا جب کر لوں گا اکٹھی توبہ تو اوّل تو جسے آج توفیق نہیں ہوئی کیا ضروری ہے کہ کل کو توفیق ہو گی۔ کل جب آئے گی تو کہے گا کل کو کر لوں گا۔ پھر وہ کل آئی تو کل کل میں گزر جائے گی اسے موقعہ ہی نہیں ملے گا اور اگر موقعہ بھی ملا موت سے قبل تو اس وقت کہاں اتنا موقعہ ہے کہ اہلِ حقوق کے حقوق ادا کرے اور جو چیزیں کی ہیں اُن کی تلافی کرے وہ تو مرنے کا وقت ہے اس واسطے قبل از موت کرے

○

مولای صل وسلم دائماً ابداً علی حبیبک خیر الخلق کلھم

درسِ حدیث

استاذ العلماء شیخ الحدیث حضرت مولانا سید حامد میاں رحمہ اللہ کے زیرِ اہتمام ہر اتوار کو نمازِ مغرب کے بعد جامعہ مدنیہ میں "مجلسِ ذکر" منعقد ہوتی تھی۔ ذکر سے فارغ ہو کر حضرت رحمہ اللہ حدیث شریف کا درس بھی دیا کرتے تھے۔ ذکر و بیان کی یہ مبارک اور رُوح پرور محفل کس قدر جاذب و پُرکشش ہوتی تھی الفاظ اس کی تعبیر سے قاصر ہیں۔

محترم الحاج محمود احمد عارف رح کی خواہش و فرمائش پر عزیز بھائی شاہد صاحب سلمہٗ نے حضرت شیخ الحدیث قدس سرہٗ کے بہت سے دروس ٹیپ ریکارڈر کے ذریعہ محفوظ کر لیے تھے اور پھر دروس والی تمام کیسٹیں اُنہوں نے مولانا سیّد محمود میاں صاحب کو عطا کر دیں۔

ہماری دُعا ہے کہ جن کی مہربانی، توجّہ اور سعی سے یہ انمول علمی جواہر ریزے ہمارے ہاتھ لگے، حق تعالیٰ اُن سب کو بیش از بیش اَجر سے نوازے۔ ہم ان شاء اللہ تعالیٰ یہ قیمتی لؤلؤ لالہ "انوارِ مدینہ" کے ذریعہ حضرت رحمہ اللہ کے مریدین واحباب تک قسط وار پہنچاتے رہیں گے۔

واضح رہے کہ حضرت کے خلفِ اکبر اور جانشین حضرت مولانا سیّد رشید میاں صاحب کے زیرِ اہتمام ذکر و درس کا یہ سلسلہ بفضلہ تعالیٰ اَب بھی جاری ہے۔

ہنوز آں ابرِ رحمت درفشاں است   خم و خمخانہ با مہر و نشان است

کیسٹ نمبر ۴، ۴ ستمبر ۱۹۸۱ء

الحمد للہ رب العٰلمین والصلٰوۃ والسلام علی خیر خلقہ سیّدنا ومولانا محمد وّآلہٖ واصحابہٖ اجمعین

امابعد! شریعتِ مطہرہ نے خواب کو ایک درجہ دیا ہے کہ خواب بھی اللہ کی طرف سے دکھائے جاتے ہیں اور اُن میں آئندہ آنے والے واقعات ہُوا کرتے ہیں۔ قرآن کریم میں حضرت یُوسف علیہ السّلام کا واقعہ ہے۔ اُنھوں نے خواب دیکھا اور والد صاحب سے عرض کیا۔ والد صاحب نے فرمایا کہ یہ خواب بتانا مت اس خواب کی تعبیر ایک طویل عرصے کے بعد سامنے آئی۔ جب خواب کی تعبیر پُوری ہُوئی تو حضرت یُوسف علیہ السّلام نے عرض کیا والد صاحب سے، چالیس سال کا فاصلہ تقریباً ہوگا۔ هٰذَا تَأْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ۔ جو مَیں نے خواب دیکھی تھی اس کی یہ تعبیر ہے، یہ جو آج بعض لوگ ملتے ہیں جو اپنی یاد کو ترجیح دیتے ہیں۔ اسی قسم کا ایک طبقہ پہلے بھی رہا ہے جو معتزلہ تھا۔

معتزلہ کا آغاز اور اس کی وجہ

ان کا آغاز ہُوا ہے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے دَور میں اور وجہ اس کی یُونانی فلسفہ ہُوا ہے جب مُسلمانوں

کے ہاتھ فلسفے کی کتابیں آئیں اور فلسفی لوگوں سے ملاقاتیں ہوئیں تو فلسفہ سیکھا اس سے ڈانواں ڈول ہوگئے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے بعد کافی دَور گزرا ہے پھر تقریبًا دوسری صدی کے ختم پر۔ رُبع آخر میں مامون الرشید کا زمانہ تھا اس زمانے میں اس فلسفہ کو پڑھنے والوں کی اور ماننے والوں کی کثرت ہوگئی۔ اس رنگ میں وہ حکام بھی آگئے جو کتابوں کا مطالعہ زیادہ کرتے تھے۔ علم سے شغف رکھتے تھے۔ معلومات زیادہ حاصل کرنی چاہتے تھے۔

مامون الرشید معتزلہ کا ہم نوا تھا

ان میں مامون الرشید اور اس کے گھر والے یہ سب آجاتے ہیں۔ مامون الرشید پر یہ اثر پڑا کہ وہ بہت سی چیزوں کا انکار کرتے رہتے تھے۔ یعنی انکے ہم خیال ہوتے۔ ان کے ہاں یہ تھا کہ جو چیز ہماری سمجھ میں آئے گی عقل میں آئے گی وہ ہم مانیں گے اور جو سمجھ میں نہیں آئے گی اُس کو حدیثوں میں تو مانے گے نہیں اور قرآن میں اس کی تاویل کریں گے موڑلیں گے اُس کے مطلب کو۔ چاہے جتنی بھی دشواری ہو۔ اسے اپنی طرف موڑلیں گے یہ فرقہ اس وقت سے شروع ہُوا اور آج تک ہے۔

پرویز کے عقائد معتزلہ والے ہیں

آج پرویز صاحب وہی ہیں اُن کے خیالات وہی ہیں بہت سی چیزوں کا وہ انکار کرتے تھے یہ بھی کرتے ہیں عذابِ قبر ہے اور پُل صراط ہے جو چیزیں بھی مخفی ہیں۔ جو ان کی سمجھ میں نہ آئے انکار کردیں گے۔ اَب انکار کرنے والوں کی تعداد میں اضافہ ہُوا ہے یا نہیں ہُوا۔

باقی جن چیزوں کا وہ انکار کرتے ہیں ان چیزوں کی تعداد بہت تھوڑی ہے۔ نمازوں کا بھی انکار کرنا شروع کردیا۔ اذان کا مطلب اُنھوں نے لیا کہ اذان کا مطلب ہے This is a duty

مامون الرشید پہلے خواب کا منکر تھا

مامون الرشید بھی خواب کو نہیں مانتا تھا کہتا تھا یہ کیا ہے اور بعض دفعہ ایسے بھی ہوتا ہے مزاج مختلف ہیں یا یہ کہا جائے کہ اللہ کا معاملہ مختلف ہے کوئی آدمی خواب دیکھتا ہے کوئی زیادہ دیکھتا ہے اور کوئی بہت زیادہ دیکھتا ہے جیسے جب سے سویا جب تک اُٹھا ہے خواب ہی خواب دیکھتا ہے لمبے لمبے خواب جو بہت زیادہ دیکھتا ہے وہ تو ایک طرح کے خیالات کی عادت سی اُسے ہوگئی۔

بعض ایسے ملیں گے آپ کو جو کہیں گے کہ مجھے کبھی خواب ہی نہیں آیا۔ ممکن ہے مامون رشید کو ایسی صورت پیش آئی ہو کہ اسے خواب ہی نہ آتا ہو، بہرحال وہ خواب کا قائل نہیں تھا، حتیٰ کہ ایک قصہ پیش آیا، وہ یہ تھا کہ اپنے بیٹے کو اس نے بھیج رکھا تھا۔ ایک معرکے پر جہاد میں معرکہ بڑا تیزی کا تھا سخت تھا۔ وہاں سے کوئی خبر نہیں آئی دن زیادہ ہو گئے، جتنے دن گزرتے گئے اس کی پریشانی بڑھتی گئی،

مامون کا ایک خواب

ایک دن خواب میں اس نے دیکھا کہ میں ٹہلنے کے لیے نکلا ہوں میرے ساتھ وہ جو دستے ہوتے ہیں وہ چل رہے ہیں مَوْکِبْ اسے کہتے ہیں۔ مَوْکِبْ عربی میں یعنی جو شاہی جلوس جیسا ہوتا ہے بہت سے لوگ آگے بہت سے لوگ پیچھے بہت سے دائیں اور بائیں ارا کین مملکت سلطنت کے ساتھ ساتھ یہ ٹہلنے کے لیے نکلا۔ عادت ہو گی اس کی ٹہلنے کی صبح خواب میں یہ دیکھتا ہے کہ میں ٹہلنے کے لیے نکلا ہوں سب لوگ میرے ساتھ اسی طرح اور فلاں جگہ پہنچے ہیں کہ ایک شخص آیا، گرد نظر آیا، پھر گرد کے بعد آدمی نظر آیا، پھر آدمی آیا قریب تک اس کو لوگوں نے روکا میرے پاس آنے سے اس نے کہا میں امیر المومنین کے پاس جانا چاہتا ہوں۔ تم لوگوں نے مجھے روک لیا اُن کا حلیہ یہ تھا کہ اس کی ڈاڑھی سفید تھی پھر میں نے لوگوں سے کہا کہ اسے میرے پاس آنے دو، آنے دیا تو وہ میرے قریب آیا، اس نے خط دیا اور اس خط میں یہ مضمون تھا۔ پھر صبح کو یہ نکلا اور واقعی جب اس جگہ پہنچا تو اس نے دیکھا گرد سے ایک شخص نمودار ہوا پھر دیکھا کہ واقعی اس حلیہ کا ایک شخص آیا اور اسے اسی طرح لوگوں نے روکا اور اس نے کہا نہیں۔ میرے پاس آنے دو۔ وہ آیا، اس نے خط دیا۔ خط اس نے پڑھا مضمون وہی تھا اور اس میں یہ تھا کہ مجھے کامیابی ہو گئی یہ یہ ہوئیں کارروائیاں اور اس میں کامیابیاں ہوئیں معرکہ کا حال تھا اور اپنی فتح یابی کی خوشخبری تھی اس کے بعد یہ خواب کا قائل ہو گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ طیبہ تو یہ تھی کہ صحابہ کرام سے دریافت فرما لیا کرتے تھے کہ کوئی خواب دیکھا ہے کسی نے اور وہ بتلا دیا کرتا تھا، حدیث شریف میں یہاں آتا ہے اور ویسے بھی خواب ہی کا قصہ ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کہ بیٹے سے فرمایا اِنِّیْٓ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْٓ اَذْبَحُكَ میں دیکھ رہا ہوں خواب میں کہ میں تمہیں ذبح کر رہا ہوں فَانْظُرْ

مَاذَا تَرٰی تمہارا کیا خیال ہے کیا اسی پر عمل کروں یا اسے بدل دوں تعبیر لے لوں کوئی اس کی کیونکہ خواب کی تعبیر ہی لی جاتی ہے بیٹے نے کہا اسی طرح کیجیے، وہ اسی طرح راضی ہو گئے، یہ انتہائی تابعداری تھی، انبیاء کرام کا خواب جو ہوتا تھا۔ وہ ہم لوگوں سے مختلف ہے۔

نبی کے علاوہ کسی کا خواب قابلِ اعتبار نہیں

نبی کے علاوہ باقی کسی کا خواب قابلِ اعتبار نہیں ایسا کہ اس پر عمل اسی طرح جائز ہو۔ یہ قابلِ اعتبار نہیں۔ بلکہ اگر کوئی چیز قابلِ اعتبار ایسی دیکھ لیتا ہے کوئی شخص جو خلافِ شرع ہو تو حکم یہ ہے کہ اسے شریعت کے مطابق بنائے اور جو کچھ اس نے خلاف شرع دیکھا ہے اُسے یہ سمجھے کہ یہ میرے نفس کی کمزوری ہے۔ جو بات میں کہنی چاہتا تھا وہ آگے آجائے گی لیکن یہ بھی ضروری ہے اس لیے اُسے بھی عرض کرتا ہوں۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ جس نے مجھے دیکھا خواب میں اس نے مجھے ہی دیکھا ہے یعنی جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم اپنے بارے میں فرماتے ہیں۔ دسویں صدی میں دسویں صدی پوری نہیں ہوئی تھی۔ ۸۸۵ھ کے بعد سے ۹۹۵ھ تک کا دور گزرا ہے (ایک) اُستاد اور شاگرد کا۔ شیخ علی متقی اور شیخ طاہر، محمدؐ طاہر پٹنی یہ اُستاد اور شاگرد ایک جون پور کے رہنے والے تھے اور ایک پٹنہ کے رہنے والے تھے۔ جون پور تو یوپی کا آخری ضلع ہے اُس کے آگے آسام آجاتا ہے بہت فاصلہ آجاتا ہے۔ اور پٹنہ یہ دار الخلافہ ہے بہار کا۔

ان حضرات نے بہت بڑی کتاب لکھی ہے حدیث کی چھبیس[۲۶] جلدوں میں ہے "کنز العمال" صرف حدیثوں کی، کوئی اپنا مضمون بالکل نہیں بس سوائے ایک سُرخی کے عنوان کے سوا باقی اپنا کوئی مضمون نہیں صرف حدیثیں ذکر کی ہیں اور اُن کے حوالے، حوالے بھی مفصل نہیں ہیں مثلاً بخاری کے لیے ب کہیں اور ملتا ہے وہ لفظ ترمذی میں مثلاً ت و ت وی، ترمذی اور بخاری میں ملتی ہے اگر تو ت اور ب لکھ دی ہے اور کہیں اور ملتی ہے تو وہ لفظ بھی بڑھا دیا...

اس طرح کی کتاب عجیب اور بہت مفصل بڑی کتاب ہے۔

ایک شخص کا عجیب خواب

اس زمانے میں ایک شخص نے خواب میں دیکھا جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو کہ آپ نے یہ فرمایا کہ شراب پی لو

فرمایا، یہ تمہارے اپنے گناہوں کی وجہ سے جو کان تمہارے باطنی خراب ہیں۔ اُنھوں نے غلط سمجھا ہے اور اُنھوں نے فرمایا کہ اس کی دلیل یہ ہے کہ تم ہی بتا سکتے ہو صحیح صحیح بات بتانا دلیل اس کی یہ کہ ضرور تم شراب پیتے ہو گے جو تم نے یہ خواب دیکھا اُس نے اُن کے سامنے اعتراف کیا کہ واقعی یہ بات ٹھیک ہے شراب کا وہ شخص عادی تھا تو اُس نے پھر توبہ کی اور وجہ سمجھ میں آ گئی کہ وجہ یہ ہے کہ کیونکہ وہ شراب کا عادی ہے اس لیے اُس کی قوّت سامعہ غلط ہو گئی روحانی۔ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے وہی فرمایا تھا اور اس نے یہ سُنا اب اسے شک ہو گیا کہ شاید یہ میرے لیے اجازت ہو گئی کیونکہ خواب میں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو دیکھتا ہے وہ آپ ہی کو دیکھتا ہے اس واسطے اسے شک پڑ گیا تشفی نہیں ہُوئی۔ شاید میرے لیے جائز ہے اُنھوں نے کہا کہ یہ بات نہیں ہے

خواب کو شریعت کے مطابق کرنا پڑے گا

تو جو کوئی خواب اَب دیکھتا ہے اسے شریعت کے مطابق کرنا پڑے گا۔ اس میں یہ دیکھے گا کہ کیا میرا خواب دیکھا ہُوا شریعت کے مطابق ہے یا نہیں اگر نہیں ہے تو اسے اس کے مطابق کرنا لازمی ہو گا۔ وہ ہی نہیں کر سکتا (جو خواب میں دیکھا ہے) باقی انبیاء کرام کی خصوصیت تھی جو اُنھوں نے دیکھا اُن کو اختیار تھا چاہے وہ ویسے ہی کر لیں اور چاہے ایسے کر لیں۔ اب بھی آپ نے کئی دفعہ سُنا ہو گا۔ تقریباً پانچ چھ سال میں دو قصّے ایسے اخبارات میں مجھے یاد پڑتا ہے آئے ہیں کہ خواب میں دیکھا اور اپنے بچوں کو ذبح کر لیا۔ کوئی نہیں کر سکتا اسے پکڑ لیا گیا ہو گا۔ اس کے خلاف کیس چلا ہو گا اس کی سرزنش ہُوئی ہو گی اس کا دماغی معائنہ کرایا گیا ہو گا کہ کیا حال ہے اس کا، کہیں پاگل تو نہیں ہو گیا، اب یہ نہیں چل سکتا ہاں انبیاء کرام علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی بات اور تھی وہ چلتا تھا اور اسے کوئی روک ہی نہیں سکتا تھا۔ بادشاہِ وقت بھی روک نہیں سکتا تھا، کیونکہ اللہ کی تائید اُن کے ساتھ ہوتی تھی تو حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے وہ خواب دیکھا اسی طریقہ پر پُورا کرنا چاہا پھر اللہ تعالیٰ نے اُن کو بتلا دیا کہ اصل میں جو حُکم تھا وہ یہ تھا کہ اس کی تعبیر لے کر عمل کرو نہ کہ بعینہٖ اسی پر عمل کرو۔ وہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کے ذریعے ان کو بتلا دیا پھر وہ ذبح کرنے لگے، اب یہ کوئی خواب دیکھتا ہے خواب کی اہمیّت تو ہے شریعت میں اور خواب میں واقعی

(باقی صـ۲۹ پر)

وہ گیا علماء کے پاس اس کی تشفی نہ ہُوئی۔ تعبیر دینے والوں نے تعبیریں دیں حتّٰی کہ وہ اُن کے پاس پہنچ گیا ــــــــــ انھوں نے تعبیر دی اُس کی اور اُنھوں نے کہا کہ دیکھو جیسے انسان کے کان ہیں ظاہری اگر وہ صحیح کام چھوڑ دیں تو دوسرا آدمی بات کچھ کہے گا یہ کچھ سمجھے گا اور بہروں میں تو ایسا بہت ہو جاتا ہے۔ آپ کچھ پُوچھ رہے ہیں وہ جواب کچھ دے رہا ہے اور اگر دو بہرے جمع ہو جائیں اور اُن کی گفتگو آپ سُنیں تو وہ بالکل ہی عجیب ہو گی۔ وہ کچھ پُوچھ رہا ہے وہ کچھ جواب دے رہا ہے، وہ کچھ پُوچھ رہا ہے وہ کچھ جواب دے رہا ہے تو جس طرح سے یہ سُننے کا فرق ہو جاتا ہے۔ ظاہری جسم ظاہری حاسّۂ سماعت یہ اگر عارضہ میں مبتلا ہو جائے، اس میں کسی قسم کی آوازیں بھی سُنائی دیتی ہیں اور بے وجہ بھی آواز سُنائی دیتی ہے۔ کان میں جھنجھناہٹ ہو گی ــــــــــ کان میں شوں شوں ہو گی تو معلوم ہو گا کہ کوئی جانور بول رہا ہے۔ جیسے گیدڑ بول رہا ہے یا اور چیز بول رہی ہے حالانکہ کوئی بھی نہیں بول رہا ہے۔ کان بول رہے ہیں اور یہ محاورہ بھی ہے۔ کوئی آدمی اگر کہہ رہا ہے یہ کیا ہو رہا ہے، یہ آواز آئی اور یہ ہے تو کہتے ہیں لوگ کہ تمہارے کان بج رہے ہیں۔ یعنی بے وجہ۔ کچھ بھی نہیں ہو رہا ہمیں تو کوئی آواز نہیں آئی تمہارے کان بج رہے ہیں تو اُنھوں نے کہا جس طرح یہ بیمار ہو جائے تو آدمی دوسرا کچھ کہے گا اور یہ سمجھے گا کچھ اسی طرح اگر کوئی آدمی گناہوں میں مُبتلا ہو جائے تو اُس کے اندر جو ہیں یہ قوّتیں سُننے کی، دیکھنے کی۔ چکھنے کی یہ طاقتیں جو ہیں یہ بھی بیمار ہو جاتی ہیں اس کے گناہوں کی وجہ سے۔

خواب میں ظاہری حواس کام نہیں کرتے

اور خواب میں یہ کان اور ناک اور دماغ کام نہیں دیتے آنکھیں کام نہیں دیتیں۔

خواب میں جو ہوتا ہے وہ باطنی جو ہیں طاقتیں اور روحانی طاقتیں ہیں جسمانی نہیں بلکہ فقط روحانی جو ہیں وہ سُنتی اور دیکھتی ہیں تمہاری جو روحانی ہے اصل طاقت اپنی، وہ گناہ کی وجہ سے بیمار ہے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ہرگز یہ نہیں فرمایا کہ شراب پیا کرو جو تم اس کی توجیہہ میں اور تاویل میں اور تمام چیزوں میں پڑے ہُوئے ہو اور تمہاری تشفی نہیں ہو رہی بلکہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے یقیناً یہی فرمایا ہے کہ شراب مت پیو، مت پیو،

بتا دیا کہ یہ رقم محفوظ ہے۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ یہ محض دادا کو مطمئن کرنے کے لیے کر دیا۔ ورنہ واقعہ یہ تھا کہ جو کچھ تھا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سب لے آئے تھے۔ ہمیں خالی چھوڑ آئے تھے۔[۱]

حالات سے باخبر رہنے اور دوسری ضروریات کا انتظام

تین آدمیوں کے خاص خاص کام سُپرد کیے گئے تھے۔[۲]

(۱) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے فرزند ارجمند عبداللہ[۳] نوجوان[۴] تھے مگر نہایت ہوشیار بہت تیز بات کو تاڑنے والے، پرکھنے والے۔ اُن کے ذمّہ یہ تھا کہ مخالفین کے اقدامات پر نظر رکھیں حالات کا جائزہ لیتے رہیں۔

یہ دن بھر مکّہ معظّمہ میں کنسوئیں لیتے رہتے۔ دن چُھپے اندھیرا ہو جاتا تو غار پر پہنچتے تھے تمام روئیداد سُنا دیتے، حالات سے باخبر کر دیتے، پھر آخر پہر میں مکّہ معظّمہ پہنچ جاتے گویا رات بھر یہیں رہے ہیں۔

(۲) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ[۵] غلام عامر بن فہیرہ جن کو حضرت ابُوبکر نے حضرت بلال رضؓ کے ساتھ ہجرت کی اجازت نہیں دی تھی بلکہ روک لیا تھا۔ اُن کے ذمّہ یہ تھا کہ تازہ دُودھ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں پیش کرتے رہیں۔ شام کو جب اندھیرا ہو جاتا یہ بکریاں غار پر لے جاتے، دُودھ دُوھتے، اُس کو گرم کرتے اور سیّد الکونین صلّی اللہ علیہ وسلّم اور اپنے آقا (ابوبکرؓ) کی خدمت میں پیش کر دیتے پھر بکریوں کو ہکا کر صبح سے پہلے تڑکے میں مکّہ پہنچ جاتے۔

---

۱ سیرۃ ابن ہشام ص: ۲۹۳، ج: ۱، ۲ ماخوذ از بخاری شریف ص: ۵۵۴ ۳ اُن کے حالات آئندہ آئیں گے۔ زیرِ عنوان متعلقین کی آمد حاشیہ ملاحظہ فرمائیں ۴ غلام شاب۔ ثقف لقن (بخاری شریف ص: ۵۵۳۔ ۵ مگر آقاؤں کے آقا۔ بیر معونہ کے حادثہ میں اُن کو شہید کر دیا گیا۔ قاتلوں کے سردار عامر بن طفیل نے لوگوں سے دریافت کیا یہ لاش کس کی ہے۔ مَیں نے دیکھا کہ اس کو اُٹھا کر آسمان کی طرف لے جایا گیا۔ پھر احتیاط سے نیچے اُتارا گیا اور رکھ دیا گیا۔ بخاری شریف ص: ۵۸۷۔

(قسط:۲۴)

سب کچھ قربان

حضرۃ شیخ الحدیث مولانا سید محمدؐ میاں رحمہ اللہ کی تصنیف لطیف
سیرۃ مبارکہ محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" کے چند اوراق

یُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ

(وہ مقدم رکھتے ہیں اپنے نفسوں پر باوجودیکہ خود اُن کو شدید حاجت اور سخت ضرورت ہوتی ہے)

یہ آیت اگرچہ ہجرت سے کئی سال بعد حضرات انصار (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کے بارے میں نازل ہوئی مگر اس کی عملی مثال حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پہلے ہی پیش کر چکے تھے۔ جب آپ نے سفرِ ہجرت کے وقت اپنی پوری پونجی ساتھ لے لی تھی۔ پانچ چھ ہزار آپ کے پاس نقد تھے آپ روانہ ہوئے تو آپ نے سب رقم ساتھ لے لی اور اہل وعیال کو خدا کے نام پر چھوڑ دیا۔

آپ کے بچّوں کا ایثار یہ تھا کہ اس کی نہ اُن کو کوئی ناگواری ہوئی نہ تہی دستی سے پریشانی۔ گویا خود اُن کی خواہش یہی تھی۔ انتہا یہ کہ جب حضرت ابوبکر کے والد ابو قحافہ کو خبر ہوئی کہ ابوبکر چلے گئے تو بچّوں کے پاس آئے اور فرمایا ابوبکر تو چلے ہی گئے، کچھ تمہارے لیے بھی چھوڑ گئے ہیں میرا خیال یہ ہے کہ جو کچھ اُن کے پاس تھا سب لے گئے۔

جان سے تو گئے ہی مال بھی لے گئے۔ تمہیں خالی چھوڑ گئے تو بڑی صاحبزادی حضرت اسماءؓ نے فوراً جواب دیا۔ نہیں۔ داداجی وہ ہمارے لیے بہت کچھ چھوڑ گئے ہیں۔ ابو قحافہ کچھ مطمئن نہیں ہوئے تو حضرت اسماءؓ نے اس جگہ جہاں رقم رہا کرتی تھی کنکریاں تھیلی میں بھر کر رکھ دیں۔ دادا کی بصارت جاتی رہی تھی۔ اُن کا ہاتھ پکڑ کر لے گئیں اور تھیلی پر ہاتھ رکھ کہ

(۳) اس زمانہ میں سڑکیں نہیں تھیں۔ اس لیے راستوں اور خصوصًا پہاڑی راستوں سے واقف ہونا بھی ایک خاص فن تھا۔ اس کے ماہر کو "خرّیت" کہا کرتے تھے۔ قافلہ کے ساتھ خرّیت ضرور ہوتا تھا۔ اُس کی معقول اُجرت ہوتی تھی۔ حضرت ابوبکرؓ نے قبیلہ بنی دیل کے ایک شخص کو (جس کا نام عبداللہ بن اریقد تھا اور عبداللہ بن ازیقط بھی کہلاتا تھا) اس خدمت کے لیے طے کر لیا تھا۔

یہ مسلمان نہیں تھا بلکہ مشرکین مکہ کا ہم مسلک تھا۔ عاص بن وائل سہمی کے خاندان کا حلیف تھا۔ یہ تو نہیں معلوم کہ اُجرت کیا طے ہوئی تھی۔ البتہ ان دونوں بزرگوں کو اس پر پُورا اطمینان[۱] تھا۔ یہاں تک کہ دونوں سانڈنیاں اسی کے حوالے کر دی تھیں اور بتا دیا تھا کہ تین رات گزرنے کے بعد وہ چوتھے دن صُبح سویرے غارِ ثور میں پہنچ جائے۔

یہ "خرّیت" وعدہ کے مطابق ٹھیک وقت پر پہنچا اور یہ حضرات سوار ہو کر روانہ ہو گئے "خرّیت" نے سیدھا راستہ چھوڑ کر ساحل سمندر کا راستہ اختیار کیا جو چکر کاٹ کر مدینہ پہنچتا تھا۔ ایک ہفتہ بعد ۱۲[۲] ربیع الاوّل کو پیر کے[۳] دن یہ مقدس قافلہ منزلِ مقصود پر پہنچا۔

باہوش و باتدبیر رفاقت

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم اس راستہ سے پہلی دفعہ تشریف لے جا رہے تھے لیکن حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہ کاروباری ضرورتوں سے شام جاتے رہتے تھے۔ قبائل کے شیوخ سے اُن کے تعلّقات تھے۔ لوگ ان کو پہچانتے تھے اس وقت جب ایک باوجاہت شریف صُورت رفیق کو ساتھ دیکھتے تو پُوچھتے تھے یہ کون صاحب ہیں۔ حضرت صدّیق

---

[۱] اطمینان کا سبب بظاہر یہ حلف ہی تھا۔ اس کی تفصیل مقدمہ میں ملاحظہ ہو۔ زیرِ عنوان معاہدات [۲] ابن سعد ابن ہشام وغیرہ [۳] عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا ارشاد ہے۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ولادت پیر (دوشنبہ) کے روز ہوئی۔ پیر ہی کو نبوّت عطا ہوئی۔ پیر کے دن ہی مکّہ معظّمہ سے روانہ ہُوئے اور پیر کے دن ہی مدینہ منوّرہ میں رونق افروز ہُوئے (مسند احمد) ابن سعد اور ابن ہشام وغیرہ نے بھی پیر کا دن ہی بیان کیا ہے، لیکن تقویم سنہ عیسوی و سنہ ہجری کے لحاظ سے یکم ربیع الاوّل پیر کے دن ہوتی ہے تو ۱۲ ربیع الاوّل کو پیر کا دن نہیں ہوتا۔ بظاہر تقویمات کا فرق ہے۔

کا جواب یہ ہوتا تھا۔
هٰذَا الرَّجُلُ يَهْدِيْنِي الطَّرِيْقَ[1] یہ صاحب مجھے راستہ بتاتے ہیں۔

غارِ ثور سے روانہ ہوئے تو تمام رات چلتے رہے۔ اگلے دن دوپہر کا وقت ہوگیا۔ دھوپ تیز ہوگئی۔ اس کھلے ہوئے لق و دق میدان میں پتھّر کی چٹان کے نیچے کچھ سایہ تھا۔ حضرت اُبوبکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مَیں نے اس کو غنیمت سمجھا۔ مَیں چٹان پر پہنچا۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کو ساتھ لے گیا۔ میرے ساتھ ایک "فروة" چمڑے کا بستر تھا۔ مَیں نے اُس کو سایہ میں بچھا دیا اور اپنے آقا (آقاءِ دوجہان) کو اس پر لٹا دیا۔

پھر مَیں نے نظر دوڑائی تو ایک چرواہے کو دیکھا جو بکریوں کے چھوٹے سے گلہ کو ہکاتے ہُوئے اس طرف لا رہا تھا اور وہ بھی اس چٹان کے سایہ میں آرام کرنا چاہتا تھا۔ مَیں اُس کے پاس پہنچا اور دریافت کیا۔ یہ بکریاں کس کی ہیں؟ تمہارا مالک کون ہے۔ چرواہے نے ایک شخص کا نام لیا جس کو مَیں جانتا تھا۔ مَیں نے دریافت کیا کہ کیا کوئی بکری دُودھ دیتی ہے اور کیا تم دُودھ دے سکتے ہو۔ اُس نے اقرار کیا۔ چنانچہ وہ ایک بکری پکڑ کر لے آیا۔ مَیں نے کہا پہلے تم بکری کے تھن پُونچھ کر صاف کرو، پھر اپنے ہاتھ صاف کرو۔ پھر دُودھ نکالو اُس نے میری فرمائش پر عمل کیا اور تھوڑا سا دُودھ دوہ کر مجھے دے دیا۔

مَیں نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے لیے ایک چھاگل میں پانی رکھ چھوڑا تھا۔ اُس کے مُنہ پر کپڑا باندھ رکھا تھا (کہ گرد و غبار نہ پڑے) مَیں نے دُودھ میں اتنا پانی ڈالا کہ تلی تک تمام دُودھ ٹھنڈا ہوگیا (دُودھ کی لَسی بنالی) پھر مَیں نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے نوش فرمایا۔ میرا جی خوش ہوگیا۔[2]

راستہ کی مختصر سرگزشت

وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ
(اور اللہ آپ کی حفاظت کرے گا لوگوں سے)

---

[1] بخاری شریف ص: ۵۵۶، ابن سعد ص: ۱۵۹، ج: ۱ [2] بخاری شریف، ص: ۵۵۶ و ص: ۳۳۰ وغیرہ۔

آیت کا نزول اگرچہ بعد میں ہُوا ہے، مگر حفاظت خداوندی کا عجیب و غریب ظہور اس سفر میں ہو چکا تھا۔ سراقہ بن مالک بن جعشم کا واقعہ[1] اُس کی مثال ہے۔ یہ قبیلہ بنی مدلج کا ایک شیخ تھا۔ اعلانچی اُس کے یہاں بھی پہنچے تھے اور یہ اعلان اُس نے بھی سُنا تھا جو قریش نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم اور آپ کے رفیقِ سفر کے گرفتار کرنے یا قتل کرنے والے کے متعلّق کیا تھا سراقہ خود بیان کرتے ہیں کہ مَیں قبیلہ میں ایک چوپال میں بیٹھا ہُوا تھا کہ کچھ آدمیوں نے آکر کہا کہ سمندر کے کنارے جاتے ہُوئے کچھ آدمیوں کی پرچھائیاں سی نظر آئی ہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ محمدّ اور اُس کے ساتھی ہیں (صلّی اللہ علیہ وسلّم)

سراقہ کہتے ہیں کہ میرے ذہن میں بھی یہی آیا کہ اُن کا خیال صحیح ہے مگر اس شوق میں کہ سارا انعام تنہا میں حاصل کرلُوں مَیں نے اُن کی بات ٹال دی۔ مَیں نے کہا کہ "محمدّ" یہاں کہاں؟ فلاں فلاں آدمی ہمارے سامنے سے گزرے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہوں گے۔ خبر دینے والوں نے میری بات مان لی —— کسی اور نے کچھ خیال نہیں کیا۔ میں تھوڑی دیر وہاں بیٹھا رہا۔ پھر خاموشی سے اُٹھا اپنے مکان میں گیا۔ باندی سے کہا میری گھوڑی ٹیلے کے پیچھے چر رہی ہے اُس کو لے آ اور تیاّر کردے۔ مَیں نے بھی ضروری سامان ٹھیک کرلیا۔ پھر مَیں نے نیزہ لیا اور اس خیال سے کہ لوگ نیزہ نہ دیکھ لیں، اس کی بھال ہاتھ میں لی اور پھولی زمین پر ڈال کر کھینچتا ہُوا چلا اور مکان کی پشت کی طرف سے نکل کر گھوڑی پر سوار ہو گیا۔ وہ کبھی دلکی اور کبھی پویا دوڑتی ہُوئی مجھے لے چلی۔ یہاں تک کہ میں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے قریب پہنچ گیا۔ اچانک گھوڑی کے ٹھوکر لگی اور مَیں زمین پر آرہا۔ مَیں فوراً اُٹھا۔ میرے ترکش میں فال معلوم کرنے والے تیر تھے۔ مَیں نے اُن کو نکالا اور مَیں یہ معلوم کرنا چاہا کہ مَیں اُن کو نقصان پہنچا سکوں گا یا نہیں۔ اتّفاق سے میری مرضی کے خلاف فال نکلی۔ مگر مَیں نے اُس کا خیال نہیں کیا۔ مَیں نے فال کے فیصلہ سے بغاوت کی۔ پھر گھوڑے پر سوار ہُوا اور اُس کو تیز دوڑا دیا اور اتنے قریب پہنچ گیا کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی تلاوت کی آواز میرے کانوں میں آنے لگی۔

---

[1] ماخوذ از بخاری شریف، ص: ۵۵۶-

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم تلاوت کلام اللہ میں مشغول تھے۔ آپ کسی اور طرف دھیان قطعاً نہیں دے رہے تھے، البتہ ابوبکر دائیں بائیں سب طرف دیکھتے ہوئے چل رہے تھے۔

جب میں اتنے قریب پہنچ گیا تو دفعتہً میری گھوڑی کے پاؤں گھٹنوں تک زمین میں دھنس گئے اور میں نیچے گر گیا۔ مَیں اُٹھا۔ مَیں نے گھوڑے کو اُٹھایا۔ اُس کو ڈانٹا۔ اس کے پیر زمین سے بڑی مشکل سے نکلے۔ ساتھ ساتھ پیروں کی جگہ سے دھوئیں کی طرح غبار نکلا جو آسمان کی طرف چڑھ رہا تھا۔ اَب مَیں نے پھر فال نکالی اس مرتبہ بھی فال میری مرضی کے خلاف ہی نکلی تو مَیں نے ہمّت ہار دی۔ فال کی مخالفت نہیں کی اور میرے دل میں یہ بات جم گئی کہ محمد رسول اللہ (صلّی اللہ علیہ وسلّم) ضرور کامیاب ہوں گے۔ مَیں نے وہیں سے پکار کر کہا "مَیں آپ صاحبان سے امن چاہتا ہوں"۔

یہ حضرات ٹھیرے۔ مَیں نے ان کے قریب جاکر قریش کی تمام باتیں جو اَب تک کر چکے تھے اور جو وہ آئندہ کرنے والے تھے اُن کو سُنا دیں۔

مَیں نے آپ کی خدمت میں کچھ ناشتہ اور کچھ سامان پیش کرنا چاہا مگر میری پیش کش ان حضرات نے منظور نہیں فرمائی۔

مَیں نے یہ بھی [1] عرض کیا کہ میرے اُونٹ آپ کو راستہ میں ملیں گے۔ اُن کے ساتھ چرواہے بھی ہیں۔ مَیں اپنا تیر دیئے دیتا ہوں یہ اُن کو دکھا دیں اور جتنے دُودھ کی ضرورت ہو آپ ان سے لے لیں، مگر ان حضرات نے میری کوئی پیش کش منظور نہیں فرمائی۔ صرف ایک فرمائش کی کہ کسی کو ہماری خبر نہ کرنا۔ مَیں نے وعدہ کیا اور ساتھ ہی یہ بھی درخواست کی کہ میرے لیے امن کا پروانہ لکھ دیں۔

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے عامر بن فہیرہ کو حکم فرمایا۔ اُنھوں نے چمڑے کے ایک ٹکڑے پر پروانۂ امن لکھ کر سراقہ کو دے دیا۔ پھر یہ حضرات مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے اور سراقہ مکّہ کی طرف واپس ہوا۔

---

[1] ابن ابی شیبہ بحوالہ فتح الباری، ص: ۱۹۲، ج: ۷ -

سراقہ نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ راستہ میں جو ملتے رہے اُن کو اطمینان دلا کر واپس کرتا رہا کہ میں دُور تک دیکھ آیا ہوں۔ اس طرف کوئی نہیں ہے۔ اس طرح بقول حضرت انس رضی اللہ عنہ سراقہ بن مالک بن جعشم کی مختصر روئداد یہ ہے کہ صُبح کے وقت حملہ آور۔ شام کے وقت محافظ۔[۱]

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے ملاقات اور پیش کش

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کا عجیب کرشمہ ہے کہ حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنا نطاق چاک کر کے اس میں ناشتہ دان اور مشکیزہ باندھا تھا اُن کے شوہر حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں خلعت پیش کیا۔ (جس کی تفصیل یہ ہے۔)

حضرت زبیر اور اُن کے ساتھ کچھ اور تاجر بسلسلۂ تجارت شام گئے تھے۔ وہاں سے واپس ہو رہے تھے کہ راستہ میں ان مقدس مہاجرین سے ملاقات ہوگئی۔ حضرت زبیرؓ نے سفید کپڑے کا جوڑا آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں پیش کیا اور ایک جوڑا صدّیق اکبر رضی اللہ عنہ کو پہنایا۔[۲]

ایک روایت یہ بھی ہے کہ اس قافلہ میں حضرت عمر حضرت طلحہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ واپسی کے وقت حضرت زبیر رضی اللہ عنہ آگے آگئے تھے۔ جب مدینہ کے قریب پہنچے تو باقی حضرات سے ملاقات ہُوئی وہاں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے بھی ان دونوں حضرات کی خدمت میں جوڑے پیش کیے۔[۳]

بقیہ: درسِ حدیث

ایسے ہوتا ہے کہ کل کو پیش آجائے وہ چیز جو خواب میں آج دیکھی لیکن خواب میں لازمی ہوگیا ہر مُسلمان کے لیے کہ وہ اپنے خواب کو تقابل کرے جانچے کہ شریعتِ مطہرہ کے مطابق بن رہا ہے یا نہیں۔ نہیں بن رہا تو اسے شریعت کے تابع کرنا پڑے گا۔ باقی چیزیں اور ہیں کسی اور دِن انشاء اللہ عرض کروں گا۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین۔

---

۱ بخاری شریف ص: ۵۵۶ ۲ بخاری شریف ص: ۵۵۴ ۳ فتح الباری ص: ۱۹۳، ج: ۷،

قاضی اطہر مبارک پوری (قسط: ۴، آخری)

علمائے اسلام کے القاب

اخیر دور میں ترکی میں مشیخۃ الاسلام کا ایک خاص عہدہ مقرر ہوا، اور وقت کے جلیل القدر عالم کو اس عہدہ پر فائز کر کے "شیخ الاسلام" کے لقب سے پکارا جانے لگا، یہ منصب سرکاری ہوتا تھا اور سلطان کے بعد سب سے بڑا مرتبہ شیخ الاسلام سمجھا جاتا تھا، ہندوستان میں آج کل شیخ الحدیث، شیخ التفسیر، شیخ الفقہ اور شیخ الادب کا اطلاق ان علوم وفنون کے پڑھانے والے مدرسین پر ہوتا ہے، یہ اصطلاح خالص ہندوستانی معلوم ہوتی ہے، شیخین (تثنیہ) کی اصطلاح اُمّت مسلمہ کی برگزیدہ ہستیوں کے لیے استعمال ہوتی ہے، مثلاً حضرات خلفائے راشدین میں شیخین حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما، محدثین میں امام بخاری و امام مسلم رحمہما اللہ، ائمہ احناف میں امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ ہیں۔

قطب الدین اور شمس الدین وغیرہ

قطب الدین، شمس الدین وغیرہ دین کی نسبت کے القاب بہت بعد کی پیداوار اور اس ذہن کا نتیجہ ہیں جو اسلامی علوم ومعارف پر عجمی خیالات وتصوّرات کے رنگ میں چوتھی صدی ہجری اور اس کے بعد سے چھانے لگا تھا، صدر اسلام سے لے کر صحابہ وتابعین اور تبع تابعین کے دور تک علماء وامراء کے لیے اس قسم کے القاب کا کوئی نشان نہیں ملتا، مگر پانچویں صدی کے بعد سے اس کی بھرمار ہو گئی، طوائف الملوکی کے امیروں، مذاہب کے عالموں اور طریقت کے مشائخ میں شاید ہی کوئی ایسا شخص ہو جو "الدین" کی نسبت کے لقب سے ملقب نہ ہو۔

تیسری صدی تک جس طرح اربابِ علم وفضل اب، ابن، ام کی نسبت، یا مقام و فن کی نسبت یا کسی مخصوص عرفیت کے ساتھ مشہور ہوا کرتے تھے، اسی طرح پانچویں صدی کے بعد سے اُن کے لیے دین کی طرف نسبت سے اُن کی شہرت ہونے لگی، اس کے مقابلہ میں

خال خال لوگ کنیت، نسبت اور عرفیت سے مشہور ہوئے، اس سلسلہ میں علامہ محمدؐ بن جبیر اندلسیؒ متوفی ۶۱۴ھ کی تصریحات ملاحظہ فرمائیے۔ جنھوں نے چھٹی صدی کے وسط میں اندلس سے بلادِ مشرق کا سفر کرکے اپنا سفرنامہ مرتب کیا۔ ملک شام کے شہر دنیصر کے ذکر میں لکھتے ہیں

وصاحب هذه البلدة قطب الدين، وهو ايضًا صاحب مدينة دارى، ومدينة ماردين، وراس العين، وهو قريب لابنى بابك، وهذه بلدة السلاطين شتّى كملوك طوائف الاندلس كلهم قد تحلّى بحلية تنسب الى الدين، فلا تسمع الا القابًا هائلةً وصفات لذى التحصيل غير طائلة، قد تساوى فيها السوقة والملوك واشترك فيها الغنى والصعلوك، ليس فيهم من ارتسم بسمة بِهٖ تليق، او اتصف بصفة هو بها خليق الّا صلاحُ الدين صاحب الشام وديار مصر والحجاز واليمن، المشتهر بالفضل والعدل فهذا اسم وافق مسماه ولفظ طابق معناه، وماسوى ذالك فى سواه فزعازع ريح وشهادات يردها

دینصر کا مالک قطب الدین ہے نیز یہ داری اور ماردین اور راس العین کا بھی مالک ہے، یہ بادشاہ ابنائے بابک کا قریبی رشتہ دار ہے یہ علاقہ مختلف بادشاہوں کا ہے، جیسے اندلس میں طوائف الملوکی کے بادشاہ ہیں یہ سب کے سب القاب کے ایسے زیور سے آراستہ ہوتے ہیں جس کی نسبت دین کی طرف ہوتی ہے، تم کو ہر طرف پُرشکوہ القاب اور بے جوڑ صفات سُننے میں آئیں گی، ان القاب و صفات میں عوام اور بادشاہ برابر ہوتے ہیں اور مالدار و غریب میں فرق نہیں ہے حالانکہ ان میں سے کوئی بھی اُن میں سے کسی صفت کا قائل نہیں ہوتا اور نہ وہ اس کے لائق ہوتا ہے۔ البتہ شام و مصر اور حجاز و یمن کا بادشاہ صلاح الدین ایوبیؒ جو کہ بزرگی اور انصاف میں مشہور ہے، یہ نام اس کی ذات کے موافق اور یہ لفظ صحیح معنی کے مطابق ہے، اس کے علاوہ ہوا کے جھونکے مجروح شہادتیں اور دین کی نسبت کے بے کیف وکم دعوے ہیں اور اُن پر یہ شعر

التجریح ودعوی نسبۃ للدین برحت بہ ای تلویح القاب مملکۃ فی غیر موضعھا کالھر یحکی انتفاخًا صولۃ الاسد[1]

صادق آتا ہے
حکومت ومملکت کے القاب کا بیجا استعمال جس پر ہوتا ہے وہ اس بلّی کے مانند ہے جو بھاری بھرکم بن کر شیر کے حملہ کی نقل کرے۔

علاّمہ ابن جبیرؒ اہل دمشق کے یہاں مردوں کی تجہیز وتکفین کے مراسم میں لکھتے ہیں کہ جب تعزیت کے لیے اعیان واشراف آتے ہیں اور اپنے اپنے القاب کے ساتھ پکارے جاتے ہیں تو ان القاب کا استعمال اس طرح ہوتا ہے۔

ونقباء الجنائز یرفعون اصواتھم بالنداء لکل واصل للعزاء من محتشی البلدۃ واعیانھم ویحلونھم بخططھم الھائلۃ التی قد وضعوھا لکل واحد منھم بالاضافۃ الی الدین فتسمع ماشئت من صدر الدین او شمسہ اوبدرہ اونجمہ اوزینہ او بہائہ، اوجمالہ او مجدہ، اوفخرہ اوشرفہ اومعینہ اومحیبہ اوزکیہ اونجیبہ، الی مالاغایۃ لہ من ھذہ الالفاظ الموضوعۃ وتتبعھا، ولاسیما فی الفقھاء بماشئت ایضًا من سید العلماء وجمال الائمۃ، وحجۃ الاسلام وفخر الشریعۃ وشرف الملۃ ومفتی الفریقین الی مالانھایۃ لہ من ھذہ الالفاظ المعالیۃ الخ[2]

جنازے کے نقیب تعزیت میں آنے والے شہر کے اعیان واشراف کے نام بلند آواز سے پکارتے ہیں اور دین کی نسبت کے جو پُر شکوہ القاب ہر ایک کے ہوتے ہیں ان کا مظاہرہ کرتے ہیں چنانچہ تم اس طرح کے بے انتہا بنے بنائے القاب سُن سکتے ہو جیسے صدر الدّین، شمس الدین، بدر الدین، نجم الدین زین الدین، بہاء الدین جمال الدین، مجد الدین، فخر الدین، شرف الدین معین الدین، مجیب الدین، زکی الدین، نجیب الدین وغیرہ، اور ہر طبقہ خصوصًا فقہاء میں دوسرے شاندار قسم کے بے موقع اور بے محل القاب پاؤ گے۔ مثلاً سیّد العلماء جمال الائمہ، حجۃ الاسلام فخر الشریعۃ، شرف الملۃ مفتی الفریقین وغیرہ۔

---

[1] رحلۃ ابن جبیر اندلسی طبع مصر، ص: ۱۸۶
[2] رحلۃ ابن جبیر اندلسی طبع مصر، ص: ۲۲۷-

الدین کی نسبت کے القاب کا رواج اس قدر زیادہ اور عام ہو گیا کہ بہت سے علماء کے اصل نام پر پردہ پڑ گیا، چنانچہ شیخ جلال الدین رومیؒ، شیخ شہاب الدین سہروردیؒ امام فخر الدین رازیؒ اور اسی طرح کے بہت سے مشہور علماء کے اصل نام کتابوں کی مراجعت کے بغیر معلوم نہیں ہو سکتے۔

آخر میں ان القاب سے عوام و خواص کی اس قدر دلچسپی بڑھ گئی کہ لوگوں نے ان کو مستقل نام بنا لیا اور یہ صورت آج تک قائم ہے۔ جس کی وجہ سے ان القاب کی عظمت و اہمیت ختم ہو گئی اور ہر چھوٹے بڑے جاہل اور عالم کے لیے استعمال ہوتے ہیں

صاحب صاحب کا لفظ ابتدا میں عام طور سے تلمیذ اور شاگرد کے معنی میں استعمال ہوتا تھا اور اس کی جمع اصحاب، تلامذہ کے معنی میں آتی تھی، جیسے عبدالرحمٰن بن ہرمز الاعرج متوفی ۱۱۷ھ صاحب ابی ہریرہؓ، اشعث بن عبدالملک متوفی ۱۴۶ھ صاحب الحسن بصریؒ معمر بن راشد متوفی ۱۵۳ھ صاحب عبدالرزاق، غندر متوفی ۱۹۴ھ صاحب شعبہؒ، اور اصحابِ ابی حنیفہؒ، اصحاب شافعیؒ اور اصحاب مالکؒ وغیرہ اس کے مقابلہ میں استاذ کے لیے شیخ اور شیوخ بولا جاتا تھا۔

صاحب کے لفظ کے ذریعہ علماء کے خاص خاص علوم و فنون کو بھی ظاہر کیا جاتا تھا، مثلاً محمد بن اسحاق صاحب المغازی، ابو صالح صاحب التفسیر، امام زفر صاحب الرائے وغیرہ اسی طرح محدثین کو اصحاب الحدیث اور فقہاء کو اصحاب الرائے کہتے تھے۔

اور اس کے ذریعہ علماء کی نسبت اُن کی اہم تصنیفات کی طرف بھی کی جاتی تھی۔ مثلاً بخاریؒ صاحب الصحیح، حمیدی صاحب الجمع بین الصحیحین، خطیب صاحب تاریخ بغداد، میدانی صاحب مجمع الامثال وغیرہ۔

بعض مرتبہ اس کے ذریعہ مقامات و بلاد کی نسبت بھی ظاہر کی جاتی تھی، مثلاً محمد بن عبادہ صاحب قرطبہ اور عز الدین مسعود صاحب موصل وغیرہ۔

صاحب کے لقب کو نسبت اور شاگردی کے مفہوم سے الگ کر کے سب سے پہلے ابو القاسم اسمٰعیل بن عباد کے لیے استعمال کیا گیا، وہ مؤید الدولہ بن بویہ کا معتمد و منصرم تھا

مؤید الدولہ ابن بویہ کی صحبت و ہم نشینی کی وجہ سے اس کو یہ لقب ملا اور صاحب بن عباد مشہور ہُوا، غالبًا اس وقت سے امراء و خلفاء کے دربار و حرم سرا کے امور و معاملات کے امین و قیم کو صاحب کہنے لگے، کیونکہ وہ ہر وقت اُس کی صحبت و معیت میں رہتے تھے اور اُن کو باہر نکلنے تک کی فرصت نہیں ملتی تھی، جیسا کہ ابن جبیر نے خلیفہ بغداد کے امین و قیم کے متعلّق لکھا ہے کہ

یُعْرَفُ بِالصَّاحِبِ مجد الدین استاذ الدَّارِ وھٰذَ اللَّقَبُہٗ وَیُدْعیٰ لَہٗ اَثَرُ الدُّعَاءِ للخلیفۃِ وَھُوَ قَلَّ مَا یَظْھَرُ لِلْعَامَّۃِ اِشْتِغَالاً بِمَا ھُوَ بِسَبِیْلِہٖ مِنْ اُمُوْرِ تِلْکَ الدِّیَارِ وَحَرَاسَتِھَا وَالتَّکَفُّلِ بِمَغَالِقِھَا وَتَفَقُّدِھَا لَیْلاً وَّنَھَارًا[1]

یعنی یہ شخص صاحب مجد الدین استاذ الدار کے لقب سے مشہور ہے، اور خلیفہ کے حق میں دُعا کرنے کے بعد ہی اس کے لیے دُعا کی جاتی ہے، یہ شخص عوام میں بہت کم آتا ہے، کیونکہ وہ شاہی مکانات کے معاملات اور ان کی نگرانی اور تحقیق و تلاش میں رات دن مشغول رہتا ہے۔

پھر صاحب کا لفظ علماء اور دوسرے اعیان و اکابر کے ناموں کے شروع میں اضافت کے ساتھ استعمال ہونے لگا جیسے صاحب الفضیلۃ، صاحب العزۃ اور صاحب الجلالۃ وغیرہ، پھر ناموں کے آخر میں بغیر اضافت کے اس کا استعمال اخیر دور کی پیداوار ہے اور اُس کا رواج غالبًا ہندوستان میں زیادہ ہُوا، کیونکہ تاریخ و رجال کی کتابوں میں دوسرے ملکوں کے متاخرین کے نام کے آخر میں یہ لفظ نہیں ملتا، البتہ نسبت کے ساتھ غیر ممالک میں آج بھی جاری ہے اور ہندوستان میں عام طور سے مضاف الیہ حذف کر دیا جاتا ہے۔

جناب

ناموں کے شروع میں جناب کا استعمال بالکل نیا ہے، عربی کے قدیم محاورے میں اس لفظ کا اطلاق اس طریقہ پر کسی دور میں نہیں ملتا۔ البتہ قرونِ وسطیٰ میں اعیان و اشراف کے ناموں کے شروع میں اس کی عظمت و اہمیّت ظاہر کرنے کے لیے

---

[1] رحلۃ ابن جبیر ص: ۱۷۵۔

اس کا استعمال ہوا جیسے الی الجناب العالی اور الی جنابکم مگر اس کا رواج عام طور سے امراء و سلاطین اور وزراء وغیرہ کے لیے ہوتا تھا، کیونکہ یہ لفظ اپنے لغوی معنی کے اعتبار سے ان ہی لوگوں کے لیے مناسب تھا، جناب کے لغوی معنی یہ ہیں:

الجناب بالفتح الفناء وما قرب من محلة القوم[1]　　جناب بفتح الجیم دروازہ کے باہری صحن اور محلہ کے آس پاس کی جگہ کو کہتے ہیں۔

گویا ابتداء میں جناب کا لفظ دربار اور ڈیوڑھی کے لیے استعمال ہوا مگر ہمارے یہاں ناموں کی ابتداء میں اس کا رواج محترم اور گرامی قدر کے معنی میں ہوتا ہے۔

حضرت اور حضور حضرت اپنے لغوی معنی میں ہر دَور میں بولا جاتا تھا اور آج بھی عربی میں اس کا استعمال اس طرح ہوتا ہے اور اس کے معنی موجودگی، سامنے اور خدمت کے لیے لیے جاتے ہیں، مگر ناموں کے شروع میں تعظیم و تکریم کے طور پر تیسری صدی کے بعد استعمال ہونے لگا، اس کی ابتداء غالباً امراء، وزراء اور خلفاء سلاطین سے ہوئی جیسا کہ مولانا کے بیان میں گزر چکا ہے کہ ابو احمد عسکری متوفی ۳۸۲ھ نے ایک موقع پر صاحب بن عباد سے مشہور جملہ سقطت علی الخبیر کے بجائے "الخبیر صادقت" کہا، صاحب بن عباد نے اس پر اعتراض کیا تو ابو احمد نے جواب میں کہا۔

"تفاءلت عن السقوط بحضرة مولانا"[2]　　حضور کا بطورِ تعظیم استعمال بعد کی بات ہے:

خاص خاص القاب مذکورۂ بالا القاب و خطابات عمومی ہیں اور ان کا اطلاق عام طور پر ہوتا ہے ان کے علاوہ ایسے القاب بھی ہیں جو خاص خاص علمائے دین اور اربابِ علم و فضل کے لیے استعمال ہوئے اور اُن ہی تک محدود رہے، جیسے۔

ترجمان القرآن، ربانی الامت، حضرت عبداللہ بن عبّاس رضی اللہ عنہما،

حکیم الامّت، حضرت ابو درداؓ اور حضرت ابو مسلم خولانیؒ

باقر، امام محمد بن علی ابو جعفرؒ

ی

---

[1] مختار الصحاح [2] مقدمہ کتاب المصون فی الادب، ص: ۵ طبع کویت

رواج

زین العابدین، امام علی بن حسینؒ

صادق، امام جعفر بن محمدؒ

فقیہ الامت، امام مالکؒ

فقیہ العراق، امام ابراہیم نخعیؒ

فقیہ المدینہ، امام ابوالزنادؒ اور حضرت امام سعید بن مسیبؒ

مسند العراق، امام علی بن عاصم واسطیؒ

مفتی المدینہ، حضرت جابر بن عبداللہؓ

مفتی مصر، امام مرثد بن عبداللہؒ

امام اعظم، امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابتؒ

اسد السنۃ، امام اسد بن موسیٰؒ

خیاط السنۃ، امام زکریا سجستانیؒ

امام الحرمین، امام ابوالمعالی عبدالملک بن عبداللہ جوینی شافعیؒ

جاراللہ علامہ ابوالقاسم محمود بن عمرو زمخشریؒ وغیرہ۔

اس دینی رسالہ سے آپکا تعاون آپ کے اجر اور اسکے استحکام، بقاء، اور ترقی کا باعث ہوگا۔

★ اس کے خریدار بنیئے اور دوسروں کو خریدار بنائیے۔

★ اس میں اشتہار دیجئے اور دوسروں سے دلوائیے

★ اس کے لیے مضامین لکھیئے اور اپنے مضمون نگار دوستوں کو اس کیلئے مضمون لکھنے کی ترغیب دیجئے۔

قسط:۲،آخری

مرادِ رسول سیّدنا عُمر فاروق رضی اللہ عنہ

حافظ حقانی میاں قادری
فاضل وفاق المدارس العربیہ پاکستان

مجھے دُودھ کی شکل میں آگ سے سیراب کیا۔ جاجا کے علیؓ بن ابی طالب کو بُلا لا وہ آئے تو آپ نے فرمایا اس شخص نے بیت المال کی اُونٹنی کو میرے لیے دوہا ہے کیا آپ کے نزدیک میرے لیے یہ حلال ہے؟ حضرت علیؓ نے فرمایا! جی ہاں، اے امیر المومنین بیت المال کی اُونٹنی کا دُودھ بھی آپ کے لیے حلال ہے اور گوشت بھی۔

درویشی اور دینداری

- ۱۸ھ میں قحط پڑا تو اس وقت آپ کی حالت قابلِ دید تھی، گوشت، گھی اور تمام مرغوب غذائیں ترک فرمادی تھیں۔
- عتبہ بن فرقد کی روایت ہے کہ مَیں نے سیّدنا عمرؓ کا کھانا دیکھا روٹی کے ساتھ زیتون ایسا بدمزہ کہ میں ایک لقمہ نہ نگل سکا۔ (اُسد الغابہ)
- ایک روز یزید بن ابی سفیانؓ نے آپ کی دعوت کی جب دسترخوان پر بعض اچھے کھانے آئے تو آپ نے ہاتھ کھینچ لیا اور فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اگر تم رسول اللہؐ کا طریقہ چھوڑ دو گے تو ضرور بھٹک جاؤ گے۔
- صحابۂ کرامؓ نے کبھی نرم کپڑا آپ کے جسم پر نہیں دیکھا۔ آپ کے کرتے میں بارہ بارہ پیوند لگے ہوتے تھے اسی حال میں قیصر و کسریٰ کے سفراء سے ملتے تھے۔ حضرت عائشہ صدّیقہؓ اور حضرت حفصہؓ نے مل کر کہا کہ امیر المؤمنین اللہ تعالیٰ نے آپ کو مرتبہ دیا ہے شہنشاہوں کے سفیر آپ کے پاس آتے ہیں۔ اب آپ کو اپنی معاشرت بدل دینی چاہیے فرمایا! افسوس ہے تم دونوں رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ازواج

ہو کر مجھے دُنیا طلبی کی ترغیب دیتی ہو، اے عائشہؓ تم رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی حالت بھول گئیں جبکہ گھر میں صرف ایک ہی کپڑا ہوتا تھا۔ اُسی کو آپؐ دن کے وقت بچھاتے تھے اور اُسی کو رات کے وقت اوڑھتے تھے۔ اے حفصہ کیا تمہیں یاد نہیں جب ایک رات تم نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بستر کو دوہرا کر کے بچھا دیا تو آپ رات بھر سوتے رہے پھر صُبح اُٹھتے ہی آپؐ نے ارشاد فرمایا! حفصہ تم نے کیا کیا کہ تم نے میرے بستر کو دوہرا کر دیا اور میں صبح تک سوتا رہا۔ مجھے دنیاوی آسائشوں سے کیا تعلّق تم نے فرش کی سختی سے مجھے کیوں غافل کر دیا

شہادت

اسلام کے اس عظیم المرتبت خلیفہ کو ۲۷ ذی الحجہ ۲۳ھ کو مسجد نبویؐ میں عین نماز فجر کی امامت کے دوران ابولؤلؤ فیروز نامی ایرانی پارسی ملعون نے زہر آلود خنجر کے پے در پے وار کر کے شدید زخمی کر دیا۔ ہوش آنے پر سب سے پہلا سوال اپنے قاتل کے بارے میں کیا، جواب ملنے پر فرمایا۔ الحمدللہ میرا قاتل مُسلمان نہیں ہے۔

جانشینی

سب سے اہم مسئلہ آپ کی جانشینی کا تھا اس میں مختلف قسم کی پیچیدگیاں پیدا ہو چکی تھیں بالآخر صحابہ کرامؓ کے اصرار پر حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت زبیرؓ حضرت طلحہؓ، حضرت سعدؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ ان چھ عظیم المرتبت صحابہ کرام کو جن کی اسلام میں بڑی خدمات تھیں اور جنہیں زبانِ نبوّت نے جنّت کے داخلہ کی خوشخبری سُنائی تھی، نامزد کر کے فرمایا ان میں جس پر کثرت رائے ہو جائے اسے امیر بنانا اور تاکید فرما دی کہ میرے بعد یہ مرحلہ تین دِن کے اندر اندر طے پا جائے۔

وصیّت

نامزدگی کے مرحلہ سے فراغت کے بعد لوگوں سے فرمایا کہ جو شخص خلیفہ منتخب ہو وہ مہاجرین والنصار اعراب اہلِ اعراب اور ذمیوں کے حقوق کا پُورا خیال رکھے اور اُن میں سے ہر ایک کے حقوق کی تشریح فرما کر تاکید فرمائی ذمیوں سے جو اقرار ہے اُسے پُورا کیا

جائے اُن کے دُشمنوں سے قتال کیا جائے اور اُن کی طاقت سے زیادہ ان کو تکلیف نہ دی جائے۔ قومی اُمور سے فراغت کے بعد ذاتی اُمور کی طرف متوجہ ہُوئے اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ کو وصیت کی کہ میرے بعد میرا قرض ادا کر دینا اگر میرے متروکہ مال سے ادا نہ ہو سکے تو خاندان عدی سے درخواست کرنا اگر اُن سے بھی نہ ہو سکے تو کل قریش سے قریش کے علاوہ کسی اور کو تکلیف نہ دینا۔

وفات

ان وصیتوں کے بعد یکم محرم الحرام ۲۴ھ شنبہ کے دن اس دُنیائے فانی کو خیر باد کہا وصیت کے مطابق حضرت صہیبؓ نے نماز جنازہ پڑھائی اور آقائے نامدار صلّی اللہ علیہ وسلّم کے پہلو میں سُپردِ خاک کیے گئے۔

اوّلیات (جدّت طرازیاں، خدمات، کارنامے)

حضرت عمرؓ نے ہر صیغہ میں جو نئی باتیں ایجاد کیں اور خدمات انجام دیں ان خدمات اور جدّت طرازیوں کو مورخین نے اوّلیات سے تعبیر کیا ہے ذیل میں ان کی فہرست درج کی جاتی ہے۔

۱۔ بیت المال کا قیام ۲۔ عدالتوں کا قیام اور قضاۃ کا تقرر ۳۔ تاریخ اور سن ہجری کا اجرا ۴۔ امیر المومنین کا لقب ۵۔ فوجی دفتر کی ترتیب ۶۔ والنٹیروں کی تنخواہ کا تقرر ۷۔ نہروں کی کھدائی ۸۔ شہروں کی آباد کاری ۹۔ دفتر مال کا قیام ۱۰۔ پیمائش کے طریقہ کا اجرا۔ ۱۱۔ مردم شماری کرائی ۱۲ عشور یعنی دہ یکی مقرر کی ۱۳۔ ممالک محروسہ کی صوبوں میں تقسیم ۱۴۔ دریا کی پیداوار پر محصول ۱۵۔ حربی تاجروں کو ملک میں آنے اور تجارت کرنے کی اجازت ۱۶۔ دُرّہ کا استعمال ۱۷۔ جیل خانہ کا قیام ۱۸۔ محکمۂ پولیس کا قیام ۱۹۔ راتوں کا گشت اور رعایا کی خبر گیری ۲۰۔ فوجی چھاؤنیوں کا قیام ۲۱۔ پرچہ نویسوں کا تقرر ۲۲۔ گھوڑوں کی نسل میں اصیل اور مجنس کی تمیز قائم کی جو عرب میں نہ تھی ۲۳۔ راہ پر پڑے ہُوئے لاوارث بچّوں کی پرورش اور پرداخت کے لیے روزینوں کا تقرر ۲۴ مکّہ معظّمہ سے مدینہ منوّرہ تک مسافروں کے آرام کے لیے چوکیاں اور سرائے کا قیام ۲۵ قاعدہ بنایا کہ اہلِ عرب غلام نہیں بنائے جا سکتے۔ مکاتب کا قیام

۲۷۔ مفلوک الحال عیسائیوں اور یہودیوں کے لیے روزینہ کا تقرر ۲۸۔ معلمین اور مدرسین کے لیے مشاہرہ کا تقرر ۲۹۔ حضرت ابوبکرؓ سے باصرار کلام اللہ کی تدوین کرائی ۳۰۔ قیاس کا اُصول قائم کیا ۳۱۔ فرائض میں عول کا مسئلہ ایجاد کیا ۳۲۔ باجماعت نماز تراویح کا قیام ۳۳۔ شراب کی حد ۸۰ کوڑے مقرر کی ۳۴۔ تین طلاقوں کو جو ایک ساتھ دی جائیں^ے بائن قرار دیا ۳۵۔ تجارت کے گھوڑوں پر زکوٰۃ کا تقرر ۳۶۔ وقف کا طریقہ ایجاد کیا ۳۷۔ بنی تغلب کے عیسائیوں پر جزیہ کے بجائے زکوٰۃ مقرر کی ۳۸۔ مساجد میں وعظ کا طریقہ جاری کیا ۳۹۔ نمازِ جنازہ میں چار تکبیروں پر اجماع کرایا ۴۰۔ مساجد میں روشنی کا انتظام ۴۱۔ ائمہ اور مؤذنین کی تنخواہوں کا تقرر ۴۲۔ غزلیہ اشعار میں عورتوں کے نام استعمال کرنے کی ممانعت ۴۳۔ ہجو کہنے والے کے لیے تعزیر کی سزا کا تقرر۔

دربارِ رسالتؐ سے خراجِ تحسین (فضائل ومناقب)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں حضرت عمرؓ حلقہ بگوش اسلام ہوئے تو آسمان سے جبریل امین نازل ہوئے اور فرمایا! اے محمدؐ صلّی اللہ علیہ وسلّم آسمان والوں میں حضرت عمرؓ کے اسلام لانے سے خوشی کی لہر دوڑ گئی ہے۔ (ابن ماجہ)

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ایک روز سیّدنا عمرؓ سے فرمایا! خدا کی قسم تمہارے راستہ میں شیطان ہرگز ہرگز نہ چلے گا بلکہ وہ دوسرا راستہ اختیار کرے گا۔ (بخاری ومسلم)

حضرت ابن عبّاسؓ سے روایت ہے رسول اللہؐ نے فرمایا کہ آسمان کے تمام فرشتے عمرؓ کا وقار و عزّت کرتے ہیں اور زمین کے تمام شیطان عمرؓ سے ڈرتے ہیں۔

(تاریخ الخلفاء للسیوطی)

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا! عمرؓ اہلِ جنت

ے یعنی یہ طے کیا کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں تین ہی شمار کی جائیں گی اور بیوی ہمیشہ کے لیے نکاح سے نکل جائے گی۔

کے چراغ ہیں۔ (ابن عساکر)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے فرمایا رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اللہ جل شانہٗ نے اہلِ عرفہ پر عموماً اور حضرت عمرؓ پر خصوصاً فخر کیا ہے۔

حضرت ابی بن کعبؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا مجھ سے حضرت جبریل علیہ السّلام کہتے ہیں عمرؓ کی وفات پر اسلام روئے گا۔ (طبرانی)

فصاحت و بلاغت کے جواہر آبدار

فاروق اعظمؓ کے مواعظ و ارشادات

○ مجھے تین باتوں پر بڑا تعجّب ہے اوّلاً آدمی موت سے بھاگتا ہے حالانکہ وہ اُسے ضرور آئے گی۔ ثانیاً انسان اپنے بھائی کی آنکھ میں تنکا دیکھتا ہے تو عیب لگاتا ہے، مگر اپنی آنکھ کا شہتیر نہیں دیکھتا۔ ثالثاً انسان کے جانوروں میں کجی ہوتی ہے تو اسے دُور کر کے رہتا ہے مگر اپنے نفس کی کجی دُور نہیں کرتا۔

○ لوگوں کے ذکر سے بچو کیونکہ یہ بیماری ہے اور اللہ کا ذکر کرو کیونکہ یہ شفا ہے۔

○ اگر انسان میں دس عادتیں ہوں اور نو اچھّی ہوں مگر ایک بُری ہو تو یہ بُری عادت اُن نو کو بھی غارت کر سکتی ہے۔

○ جو عیب سے واقف کرے وہ دوست ہے اور مُنہ پر تعریف کرنا گویا ذبح کرنا ہے۔

○ ظالموں کو معاف کرنا مظلوموں پر ظلم ہے۔

○ معاملات اس وقت تک ٹھیک نہیں ہو سکتے جب تک کمزوری سے پاک نرمی اور جبر سے پاک قوّت نہ ہو۔

○ جو شر کے ذریعہ غالب آیا وہ مغلوب ہے جس نے گناہ کے ذریعہ فتح حاصل کی وہ فتح یاب نہیں۔

○ جب حلال و حرام جمع ہوں تو حرام غالب ہوتا ہے چاہے وہ تھوڑا سا ہی ہو۔

○ جو زیادہ ہنستا ہے اس کی ہیبت کم ہو جاتی ہے اور جس کی لغزشیں زیادہ ہوتی ہیں اس کا تقوٰی کم ہو جاتا ہے۔

○

حضرتِ اقدس مولانا سیّد حامد میاں صاحبؒ کی وفات حسرتِ آیات پر آپکی چھوٹی صاحبزادی کے کہے ہوئے چند اشعار۔

تیرے بغیر

○

خاک ہے لُطفِ چمن اے خوشنوا! تیرے بغیر
سُونے سُونے ہیں نظارے اور فضا تیرے بغیر
آ، کہ رُت آئی چمن میں گُلفِشانی کی مگر،
ابکے ہے ہر چیز پر، وحشت سِوا، تیرے بغیر

پھُول بھی چُبھنے لگے ہیں آنکھ میں، مانندِ خار
یہ چمن کی دلکشی کو، کیا ہُوا؟ تیرے بغیر
دِل کی وحشت کیا کہوں، دیوانگی کی حد نہیں
خار کو گُل، پھُول کو پتھّر، کہا تیرے بغیر

سونپ دی دوراں کی گردش قُلزمِ افکار کو
گوہرِ فطرت کا یُوں، سودا کیا تیرے بغیر
ہائے مجھ کو صبر دے تُو اے مِری توفیقِ غم!
زندگی کا حق نہیں ہوتا ادا، تیرے بغیر

دیکھ اس کو تھام لے، ساقی! ترے میخوار کو
گر جدائی مل گئی مر جائے گا، تیرے بغیر

سلیمہ بنت حامد بن محمدؒ

تحریر: ڈاکٹر محمود عارف ۔ لاہور

قسط: ۲

گردیز کے محاذ پر

اس افغان کو دیکھ کر ہم سب چونکے، مگر یہ افغان ہمارے لیے فرشتہ رحمت ثابت ہوا۔ یہ افغان درحقیقت ایک عالم دین اور تحریک جہاد سے وابستہ ایک مجاہد تھا۔

افغانستان اور صوبہ سرحد میں علمائے دین کے لباس میں امتیازی طور پر پگڑی نما رومال سر پر اور دوسرا رومال کندھے پر، شامل ہوتا ہے۔ یہ علامت واضح طور پر اس افغان میں موجود تھی۔ اس لیے گھبراہٹ کے بجائے ہم اُن کی طرف متوجہ ہوئے اور اُن سے میرانشاہ میں مولانا پیر محمد صاحب کے مدرسے (عیدگاہ سراج العلوم) کا پتہ پوچھا

تیرے چمن کی روش باغباں نہیں معلوم
اسیر تازہ ہوں طرز فغاں نہیں معلوم

ہمارا خیال تھا کہ ہماری منزل چند قدم کے فاصلے پر ہوگی، مگر، مخبر نے بتایا کہ وہ یہاں سے چند کیلومیٹر دور ہے اور یہ کہ اس کے لیے ہمیں سواری درکار ہوگی، چنانچہ انھی نے ہمیں اس روڈ پر جانے والی ایک پک اپ میں سوار کرا دیا۔ جس نے ہمیں چند منٹوں میں ہماری منزل پر پہنچا دیا۔

مدرسہ سراج العلوم "غلام خان روڈ" پر شہر سے باہر کھلی فضا میں قائم کیا گیا ہے۔ مدرسہ کے مہتمم مولانا "پیر محمد" صاحب ہیں۔ مدرسہ مسجد کے سامنے کی طرف انگریزی کے حرف یو (U) کی شکل میں بنایا گیا ہے۔ ذریعہ تعلیم مکمل طور پر "پشتو" ہے اُستاد بھی پشتون اور شاگرد بھی۔ یہاں تک کہ جو کتابیں یہاں ابتدائی طور پر پڑھائی جاتی ہیں، وہ تمام کی تمام یا تو پشتو میں ہیں یا پھر پشتو میں ترجمہ شدہ ہیں۔ صاف ستھری آب و ہوا اور مدرسے کا "محل وقوع" مجھے اتنا پسند آیا کہ جی چاہا کسی ایسی ہی "کنج عافیت" میں عمر عزیز گزر جائے۔

دُنیا کی محفلوں سے اُکتا گیا ہُوں یا ربّ کیا لُطف انجمن کا جب دِل ہی بُجھ گیا
شورش سے بھاگتا ہُوں دِل ڈھونڈتا ہے میرا ایسا سکون جس پر تقدیر بھی فدا ہو

ہم ویگن سے اُتر کر جب مدرسہ کے گیٹ پر پہنچے تو وہاں چوکیدار نے ہمیں روک لیا اور پُوچھا کس سے ملنا ہے اور یہ کہ کہاں سے آئے ہو!

ہم نے عرض کیا کہ یہ قافلہ پنجاب سے آیا ہے اور "چچا قاسم" سے ملاقات کرنے کا متمنی ہے اس پر ہمارے لیے گیٹ کھل گیا اور ہمیں بتایا گیا کہ چچا قاسم دائیں طرف والے پہلے کمرے میں موجود ہیں۔ ہم جب کمرے کے اندر داخل ہُوئے تو ہمارا استقبال کرنے والے چچا قاسم ہی تھے جو عمر عزیز کی پانچ دہائیاں مکمّل کر کے چھٹی دہائی میں قدم رکھ چُکے تھے۔

محترم چچا نے ہمیں پہلے مشکوک نظروں سے اس طرح دیکھا۔ جیسے وہ دیکھ رہے کہ ان تلوں میں تیل بھی ہے، یا نہیں؟

ہم نے اُن کی نظروں کا مفہوم جان لیا اور پھر اپنا مختصر سا تعارف اور اپنے ہمراہ موجود تعارفی رقعہ بھی اُن کی نذر کیا۔ اس پر اُن کا رویّہ بدل گیا۔

ہم کو نسبت ہے اس گلستاں سے جس گلستاں کا خار بھی گُل ہے

مدرسہ سراج العلوم میرانشاہ چونکہ پاکستان کی طرف سے حرکۃ الجہاد الاسلامی پاکستان کا آخری کیمپ تھا۔ جہاں مجاہدین کا افغانستان میں جانے سے قبل اور واپسی کے بعد مکمل ریکارڈ رکھا جاتا تھا اور مجاہدین کو اُن کے ٹھیک ٹھیک ٹھکانوں پر پہنچانے کا انتظام بھی یہیں سے کیا جاتا تھا اس لیے یہ کیمپ بے حد اہمیّت کا حامل تھا۔ اس کیمپ کے "میر محفل" چچا قاسم تھے۔

حرکۃ الجہاد الاسلامی الباکستان، جس کی میزبانی سے لطف اندوز ہونے کی ہمیں سعادت حاصل ہُوئی مجاہدین کی وہ جماعت ہے جو دینی مدارس کے غریب مگر جذبوں سے لیس طالب علموں اور علمائے کرام پر مشتمل ہے۔ اس کی تاسیس کا سہرا مولانا ارشاد احمد شہید (فیصل آبادی) کے سر ہے، جنہوں نے نہایت نامساعد حالات میں اس جماعت کی بُنیاد رکھی۔

اس جماعت کی ابتداءً جو مالی حالت تھی اس کے متعلّق حرکۃ کے موجودہ امیر مولانا سعادت اللہ صاحب فرماتے ہیں:

"مجھے اَب بھی یاد ہے کہ مولانا ارشاد احمد شہید، مولانا سیف اللہ اختر اور مولانا عبد الصمد نے اپنی بہنوں سے چار چار آنے جیب خرچ جمع کر کے ہمارے لیے کرائے کا بندوبست کیا تاکہ ہم افغانستان پہنچ کر جہاد کر سکیں، کن لوگوں کے ساتھ، جن کے پاس ہزاروں ٹینک تھے جدید ترین اسلحہ اور بہترین فوج تھی۔"

مگر اس کے باوجود جذبوں اور ولولوں سے لیس، جَب یہ مجاہد میدانِ عمل میں اُترے تو کامیابیوں نے اُن کے قدم چُومے، منزلوں نے اُن کی رہنمائی کی۔ کامرانیوں نے ان کو راستہ دکھایا، اسی لیے فتح افغانستان میں افغانوں کی بڑی بڑی جماعتوں کے ساتھ پاکستان کے دینی طلبہ اور اساتذہ کی یہ جماعت بھی پُوری طرح شریکِ سفر رہی ہے اس جماعت نے کئی مورچے تن تنہا فتح کیے۔ "ارغون" کا پُورا صُوبہ اس کے مرحوم کمانڈر خالد زبیر شہید کی کوششوں سے فتح ہُوا۔ اس کے علاوہ ہر محاذ پر اس جماعت کی قربانیوں اور شہادتوں کی داستانیں بکھری ہُوئی ہیں۔

اس جماعت کے افغانستان کی جنگ میں ۷۵ سرکردہ افراد شہید ہُوئے اور بیس کے قریب اس جماعت کے مجاہدین جسمانی طور پر معذور ہُوئے۔ یہ اعزاز معمولی نہیں ہے۔

چچا قاسم کا کمرہ چچا قاسم کے کمرے میں ایک دُنیا آباد تھی مختلف اقسام کے کمبل، مجاہدین کی وردیاں کلاشنکوفیں، بارُود سے بھری ہُوئی پیٹیاں، ادویات، زخموں کی مرہم پٹی کا سامان۔ یہاں تک کہ اس میں ایک عدد تابوت بھی موجود تھا۔ اس طرح محترم چچا کا یہ کمرہ ایک چھوٹا سا اوجھڑی کیمپ تھا اور ہمارے لیے اس میں بیٹھنا کسی طرح ایک مجاہدے اور ریاضت سے کم نہ تھا۔

نمازِ مغرب اور نمازِ عشاء سراج العلوم کی خُوب صُورت مسجد میں ادا کی جو ماحول کے مطابق خُوبصُورتی اور حُسن و جمال کا مرقع ہے۔ یہاں طالب علموں کی کتابیں دیکھنے کا اتّفاق ہُوا جن میں پند نامہ عطار بھی تھا۔ جب مَیں نے اسے کھولا تو شیخ عطا کی یہ فارسی مناجات سامنے آگئیں۔

پادشاہا جُرم مارا درگزار ما گنہگاریم و تو آمرزگار

شیخ عطار کی یہ نظم پہلے بھی کئی دفعہ پڑھی تھی، لیکن اس رات اس کے پڑھنے سے جو کیفیت پیدا ہُوئی اور جس طرح آنکھوں میں اپنی زندگی کے لیل و نہار گھومے اور اپنی بیتی ہُوئی زندگی اور

رحمان و رحیم کی نوازشوں کا نقشہ آنکھوں کے سامنے آیا وہ ایک منفرد واقعہ تھا۔

اَب تک نہ خبر تھی مجھے اُجڑے ہُوئے گھر کی

تم آئے تو گھر بے سرو ساماں نظر آیا

رات کو چچا قاسم نے اپنے اسی "اُوجھڑی کیمپ" میں ہمیں رات کا کھانا کھلایا، جو سادہ ہونے کے ساتھ ساتھ انتہائی لذیذ بھی تھا۔ رات کے اس کھانے میں گوشت بھی تھا اور چنے کی دال بھی مگر چنے کی دال اتنی مزیدار اور اتنی لذیذ تھی کہ اس کے سامنے مُرغ پلاؤ ہیچ نظر آتا تھا۔

کھانے سے فراغت ہُوئی تو چچا قاسم نے ایک رجسٹر کھول لیا اور ہم میں سے ہر ایک کے کوائف اس میں درج کیے وجہ یہ تھی کہ بقول ان کے کہ اگر راستے میں ہمارے پاس فرشتۂ قضا آجائے تو ہمارے خاکی جسموں کو احترام کے ساتھ اپنی اپنی منزلوں تک پہنچا دیا جائے۔

کُل امرئٍ مُصْبِحٌ فی اھلہ والموت ادنیٰ من شراک نعلہ

(ہر آدمی گھر میں خوش و خرم ہوتا ہے حالانکہ موت اُس کے جوتوں کے تسموں سے بھی قریب تر ہوتی ہے)

شاعر جذبات ابوطیب متنبی نے بھی اس مضمون کو نہایت خُوب صُورت الفاظ میں یُوں بیان کیا ہے۔

نعدّ المشرقیۃ والعوالی وتقتلنا المنون بلا قتال

(ہم مشرقی تلواریں اور نیزے تیّار کرتے ہیں مگر موت ہمیں بلا لڑائی کے مار ڈالتی ہے)

اس رجسٹر میں کئی "خانے" تھے۔ ایک خانہ تبلیغی جماعت میں وقت لگانے کا بھی تھا جس سے پتہ چلا کہ مجاہدین کے ہاں تبلیغی جماعت کی اور اس میں لگائے ہُوئے وقت کی کیا اہمیّت ہے، اگرچہ عام طور پر تبلیغی جماعت میں صرف تبلیغ سکھائی جاتی ہے، جہاد کی تعلیم نہیں دی جاتی مگر اس پُورے سفر سے یہ ثابت ہُوا کہ تبلیغی جماعت میں لوگوں کو جو تربیت ملتی ہے، اس کا "جہاد" اور قتال کے میدانوں میں بڑا اہم کردار ہے۔ دونوں میں پہلی قدر مشترک تو ترک وطن اور ترک اہلِ و عیال کی ہے۔

دوسری قدر مشترک دست خود اور دہان خود کی ہے کہ وہاں ہر انسان خادم ہے، مخدوم کوئی نہیں۔ دونوں کی تیسری قدر مشترک ہر مسئلے میں سُنّت نبوی کا اہتمام اور اس کی پاسداری ہے۔

اس مرحلے سے فارغ ہُوئے تو چچا نے ہمیں سوویت یونین کے خلاف مجاہدین کے اس تاریخی اور عظیم الشّان جہاد کے بارے میں سوالات پُوچھنے کی اجازت دی۔ اتّفاق سے مدرسہ کے مہتمم مولانا پیر محمد کے بھائی (نام یاد نہیں رہا) بھی موقع پر تشریف لے آئے، چونکہ ہمارا یہ سفر مکمّل طور پہ مطالعاتی سفر تھا اور ہمارے ذہنوں میں جہاد کے متعلّق بہت سے سوالات مچل رہے تھے اس لیے ہم نے ایک ایک کر کے تمام سوالات پُوچھے، مگر چچا قاسم نے نہایت متانت اور تحمّل سے ان سوالات کا جواب دیا اور ہمیں پُوری طرح مطمئن کیا۔ چچا قاسم کی گفتگو سے پتہ چلا کہ پاکستان سے آنے والی امداد اور وفود اسی راستے سے ہو کر افغانستان میں پہنچتے ہیں۔ ہم نے ایک اہم سوال یہ پُوچھا کہ ایک خاص سیاسی جماعت یہ پروپیگنڈہ کر رہی ہے کہ جیسے سارا افغان جہاد اسی کی امداد کے سہارے لڑا جا رہا ہے اس میں کہاں تک صداقت ہے؟ اس سوال پر چچا مُسکرائے اور پھر فرمایا کہ تم لوگ محاذِ جنگ پر جا رہے ہو اس لیے اپنی آنکھ سے خود بھی دیکھ لینا کہ اس جماعت کا جہادِ افغانستان میں کتنا حصّہ ہے پھر فرمایا کہ جہاں تک عملی جہاد کا تعلّق ہے تو اس میں اس سیاسی جماعت کا کوئی کردار نہیں ہے پھر اُنھوں نے ایک واقعہ سُنایا کہ ہمارے مجاہدین کی ایک جماعت وادی نیلم آزاد کشمیر سے آ رہی تھی، اُنھوں نے دیکھا کہ اس سیاسی جماعت کا ایک فلمی یونٹ گاڑی پر سوار ہو کر آیا اور ایک شخص کو ٹماٹو کیچپ لگا کر نیچے لٹا دیا اور پھر اس کی فلم بنانی شروع کر دی اور بعد ازاں یہ فلمی یونٹ واپس چلا گیا اور یہ فلم یقیناً پاکستان میں یہ کہہ کر دکھائی گئی ہو گی کہ یہ ہمارے مجاہدین ہیں جو مقبوضہ کشمیر میں جہاد کر رہے ہیں اس سے آپ اس سیاسی جماعت کی عملی کارگزاری کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ شیخ سعدی نے شاید ایسے ہی نادان دوستوں کے متعلّق فرمایا ہے:

گر ہمیں مکتب و ہمیں ملا کار طفلاں تمام خواہد شد

ہم نے عرض کیا کہ اگر یہ حضرات ناکردہ "کارناموں" کو محض اپنے پروپیگنڈے کی بُنیاد پہ خود کی طرف منسوب کر رہے ہیں، تو "علمائے حق" اپنے حقیقی کارنامے منظرِ عام پر کیوں نہیں لاتے؟ اور اس پہلو سے کیوں آنکھیں بند کی ہُوئی ہیں؟ اس سوال کا جواب اُنھوں نے تو نہیں دیا، البتّہ کنارے

راوی سے ہمیں آواز آئی:

تو ابھی رہگذر میں ہے قید مقام سے گزر　　مصر و حجاز سے گزر فارس و شام سے گزر
جس کا عمل ہے بے غرض اسکی جزا کچھ اور ہے　　حور و خیام سے گزر جادۂ و جام سے گزر

لیکن بہرحال یہ صورتِ حال عُلماء کے حلقوں کے لیے لمحۂ فکریہ ہے کہ محنت کوئی کر رہا ہے اور نام کوئی کما رہا ہے آخر کیوں؟

پچا قاسم نے بتایا کہ گزشتہ روز چکوال سے آئے ہُوئے بیس کے قریب مجاہدین کا ایک وفد اگلے محاذ پر روانہ ہُوا ہے اور اگر ہم لوگ ایک روز پہلے آجاتے تو اس قافلے کے ہمراہ جا سکتے تھے مگر اَب محاذ پر جانے کی واحد صُورت یہ تھی کہ صُبح یہاں سے کوئی گاڑی کرائے پر لے لی جائے اور اُس کے ذریعہ ہمیں محاذ پر بھیج دیا جائے۔ یہ تجویز تمام احباب نے پسند کی۔

غنیمت یہ ہوئی کہ رات کو سونے کے لیے ہمیں ایک کشادہ کمرے میں لے جایا گیا، مگر پھر بھی ایک تو اجنبی جگہ اور دوسرے منزل "نا معلوم" اس لیے رات کو مَیں تو ٹھیک سے نہ سو سکا، البتہ احباب کے خراٹے گونجتے رہے۔

نماز فجر کے بعد رات کی روٹی اور تازہ چائے سے ناشتہ کیا اور پھر پچا قاسم حافظ عبداللہ کو ہمراہ لے کر گاڑی لینے کے لیے روانہ ہو گئے۔

اُن کے جانے کے بعد ہم نے بھی سوچا کہ اس قلعہ نما مدرسہ سے باہر نکل کر دیکھا جائے۔ باہر نکلے تو ایک انتہائی خوب صُورت سماں ہمارا منتظر تھا۔ ہم باہر نکلے تو دیکھا کہ یہ مدرسہ ایک کھلے میدان میں واقع ہے جس کے بالکل سامنے سے افغانستان کو جانے والی سڑک گزرتی تھی اور سڑک سے آگے سرمئی پہاڑوں کی چوٹیاں اور درمیان میں لہلہاتے ہُوئے سرسوں کے کھیت اور باغات نظر آرہے تھے۔ ہَوا صاف اور مطلع خوشگوار تھا۔

قریب ہی ایک سروس سٹیشن نظر آیا وقت گزاری کے لیے مَیں اُس کے سامنے بچھی ہُوئی چارپائی پر جا کر بیٹھ گیا۔ سامنے دیکھا تو "زبیر" میاں بھی چلے آرہے تھے اس پر دکاندار نے فوراً روایتی مہمان نوازی کا ثبوت دیتے ہُوئے چائے منگوالی اور پھر ہمیں وہ چائے پینا پڑی۔ یہاں اندازہ ہُوا کہ پٹھانوں کی مہمان نوازی کے قصّے بلاوجہ نہیں ہیں۔

اس دکاندار سے معلوم ہُوا کہ یہاں حکومت نے پُورے علاقے میں مفت بجلی سپلائی کی ہُوئی ہے اور یہاں کسی شخص سے کوئی "بل" وصول نہیں کیا جاتا اسی طرح اس علاقے میں حکومت نے کوئی ٹیکس بھی عائد نہیں کیا، کوئی کسٹم ڈیوٹی بھی نہیں لگائی۔ گویا یہاں کا معاشرہ محتسب و کوتوال کی دخل در معقولات سے بے نیاز ہے، مگر دکاندار نے بتایا کہ یہاں پہلے سرِ شام ہی اجنبیوں کو لوٹ لیا جاتا تھا اور وزیری قبائل اس بارے میں بہت شہرت رکھتے تھے، البتہ جب سے مجاہدین اس علاقے میں آئے ہیں، وارداتیں کم ہوگئی ہیں اور اَب اس علاقے پر شرعی حکومت قائم ہے، اور تمام فیصلے قائدین کے جرگے میں ہوتے ہیں۔

یہ گفتگو ابھی جاری تھی کہ حافظ عبیداللہ صاحب تیزی سے ہمارے پاس آئے۔ اُنہیں دیکھ کر ہم بھی گھبرا گئے۔

وفیات

گزشتہ ماہ جامعہ کے شعبہ تجوید کے مدرس قاری ادریس صاحب کے والد بزرگوار جناب حافظ سلیمان صاحب، امام تبلیغی مرکز رائے ونڈ مولانا نعیم الدّین صاحب کے بہنوئی جناب اقبال احمد صاحب، جناب احمد سعید صاحب اور خوشدامن سیٹھ قمرالدّین صاحب کی وفات ہوگئی۔ اِنّا للہ واِنّا الیہ راجعون۔

دُعا ہے کہ اللہ پاک مرحومین کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے، پسماندگان کو صبر کی توفیق دے۔ آمین جملہ مرحومین کے لیے جامعہ کے درجہ تحفیظ القرآن میں ایصالِ ثواب کیا گیا۔

پردہ دورِ حاضر کی اشد ضرورت

شاہد اشرف صاحب، لاہور

عورت قدرت کا تخلیقی شاہکار ہے۔ شبنم کی ٹھنڈک، پنکھڑیوں کی نزاکت، گہری جھیل کے پانی کا صبر و سکون، موم کا پگھلنا، شہد کی مٹھاس، ممتا کی گرمی۔۔۔ اور نامعلوم کتنے رنگین تصورات نازک احساسات اور بہت سے اوصافِ جمال کا مجموعہ عورت ہے جبھی تو انتہائی سلیم الفطرت اور دنیا کے سب سے معتدل مزاج انسانِ عظیم اور اکرم الخلائق حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے عورت کو دنیا کی مرغوب ترین چیز شمار کیا ہے۔ عورت کی جملہ صفات اور خوبیوں کا خلاصہ اس کی پاک دامنی، عفت اور عصمت ہے۔ اس کے بغیر یہی عورت میٹھا زہر، خوبصورت ناگن، شیطان کا پھندہ اور آفت کی پڑیا ہے اس کی پاکدامنی کی حفاظت کے مضبوط قلعہ کا نام "شرعی پردہ" ہے۔ تعلیمی ترقی مساوات اور آزادی نسواں کے چکنے چپڑے عنوانات کے ذیل میں عورت کے حیوانی جذبات کو ابھار کر اُسے جدید شاطرانہ تہذیب اور مرد کی ہوس نے پردہ کی قلعہ نما حفاظت سے باہر نکالا، مختلف پیشوں کا جال بچھا کر معاشی تحفظ کے خواب دکھلائے، اپنے قریب کیا اور کثرتِ اختلاط کے مواقع پیدا کیے اسی کا نتیجہ ہے کہ تازہ ترین خبروں کے مطابق

ہر آدھے گھنٹے میں دسیوں عورتوں پر دست درازی کی جاتی ہے اور اس کی وجہ سے ایڈز کی خطرناک متعدی بیماری وبا کی طرح دنیا کے اکثر ممالک میں پھیلتی جارہی ہے۔

قبل از شادی اسقاطِ حمل اب کالج کی زندگی سے نیچے اُتر کر اسکولوں کی سطح میں آ گیا ہے۔ فرانس کے اسکولوں میں مانع حمل تدابیر اور آلات کی مفت فراہمی کی تجویز زیرِ غور ہے۔

آئرلینڈ کے ایک شہر میں سڑک میں تنہا چلنے والی عورتوں کی حفاظت کے لیے عورتوں نے ایک تنظیم بنائی ہے۔

شادی کے ایک سال کے اندر طلاق کے واقعات بھیانک رفتار سے بڑھ رہے ہیں۔
اس نہایت سنگین صورت حال کا اہم اور بنیادی سبب مردوں اور عورتوں کا کثرتِ اختلاط اور بے پردگی ہے۔ کم از کم مسلمانوں کو اپنے معاشرہ کو ان تباہیوں سے بچانے کے لیے "شرعی پردہ" کو رائج کرنے کے لیے سنجیدگی اور متانت سے غور کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے۔ لیکن ایک قابلِ غور ذہنی اُلجھن اور جو سوال شرعی پردہ کے بارے میں اُٹھایا جاتا ہے، وہ یہ ہے کہ شرعی پردہ ترقّی نِسواں میں حائل ہے

اس کا مدلّل اور معقول جواب شرعی پردہ کی ضرورت اس کی وضاحت اور عورت کے فرائض اور اختیارات کا تفصیلی جائزہ لینے سے آپ کو مل سکتا ہے۔

اسلام نے انسان کی فطری تقسیم فرمائی ہے۔ مرد و عورت دونوں کے فرائض جُدا جُدا اور دونوں کا میدانِ عمل علیحدہ علیحدہ متعیّن فرمایا ہے۔ جو فطری طور پر قوی اور طاقتور ہے اس کا دائرہ عمل اسی قدر وسیع اور جو ضعیف و نازک ہے اس کا دائرہ عمل اسی قدر محدود فرمایا ہے۔ بخاری شریف کی روایت ہے "عورت اپنے شوہر کے گھر کی حکمران ہے اور وہ اپنی حکومت کے دائرے میں اپنے عمل کے لیے جواب دہ ہے"۔

اللہ نے عورت کو گھر کی ملکہ بنایا ہے۔ اولاد کی تعلیم و تربیت اور اُن کے اخلاق و کردار کی ذمّہ داری اس کو سونپی ہے عورت کو ایسے تمام فرائض سے سُبکدوش کیا گیا ہے جو بیرونِ خانہ سے تعلّق رکھنے والے ہیں۔ اسلام نے اس کو بہترین ماں محبّت کرنے والی بیوی اور اولاد کی تربیت کی ذمّہ داری سونپی ہے جسے اس کو نہایت حُسن وخُوبی کے ساتھ نبھانا ہے۔ تمدّنی اور معاشی کشمکش سے روک کر امورِ خانہ داری کی تمام تر ذمّہ داریاں عائد کی ہیں تاکہ ایک بہتر سے بہتر خاندان کا وجود عمل میں آئے۔

چونکہ انسان کے نظامِ تمدّن کے اندر خاندان مرکزیت کی حیثیّت رکھتا ہے۔ خاندان سے معاشرہ اور معاشرہ سے ریاست و مملکت وجود میں آتی ہے اور چونکہ عورتوں میں قدرت نے فطری طور پر نزاکت و لطافت پیدا فرمائی اس کے اندر جنسی کشش بدرجہ اتم موجود ہے اگر وہ گھر سے آزاد ہو کر بے حجاب مختلف شعبہ مملکت میں

کام شروع کر دیں گی تو لازمی طور پر معاشرہ کو سنگین اور بھیانک جرائم کا سامنا کرنا پڑے گا اسی حکمت کے پیشِ نظر اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے لیے پردہ لازم اور واجب قرار دیا ہے ہے ، چنانچہ اللہ تعالیٰ سورۃ الاحزاب میں ارشاد فرماتے ہیں ۔

وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاہِلِیَّۃِ الْاُوْلٰی

— اور قرار پکڑو اپنے گھروں میں اور نہ دکھاتی پھرو جیسا کہ دکھانا دستور تھا پہلے جہالت کے وقت میں

اس آیت کی تفسیر میں علّامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں ۔

اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت میں عورتیں بے پردہ پھرتیں اور اپنے بدن و لباس کی زیبائش کا علانیہ مظاہرہ کرتی پھرتیں ۔ اس بد اخلاقی اور بے حیائی کی روش کو مقدس اسلام کب برداشت کر سکتا ہے اس نے عورتوں کو حکم دیا کہ گھروں میں ٹھہریں اور زمانہ جاہلیت کی طرح نمائش نہ کرتی پھریں ۔

آیت مذکورہ میں عورتوں کو خانہ نشینی کا حکم دیا گیا ہے لیکن انسان خواہ مرد ہو یا عورت مجموعۃ الاحتیاج ہے اور بشری ضروریات کے تقاضوں کے تحت عورتوں کو بھی گھر سے باہر نکلنے کی ضرورت پڑتی ہے ۔ اس ضرورت کے پیشِ نظر اُن کو باہر نکلنے کی اجازت دی بشرطیکہ زیب و زینت اور بے حیائی کے لباس میں ملبوس نہ ہوں ، چنانچہ سورۃ الاحزاب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ۔

یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِکَ وَبَنٰتِکَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْھِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِھِنَّ ط ذٰلِکَ اَدْنٰٓی اَنْ یُّعْرَفْنَ فَلَا یُؤْذَیْنَ ط (احزاب : آیت ۵۹)

اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دے اپنی عورتوں کو اور اپنی بیٹیوں کو اور مسلمان کی عورتوں کو کہ نیچے لٹکائیں اپنے اُوپر تھوڑی سے اپنی چادر اس میں بہت قریب ہے کہ پہچانی پڑیں تو ان کو کوئی نہ ستائے

معلوم ہُوا کہ مطلوب شرع یہی ہے کہ عورتیں گھروں کو مستقر بنائیں اس کے علاوہ گھر سے باہر نکلنے کی جتنی صورتیں ہیں وہ ضرورت طبعی و شرعی کے ساتھ مقید ہیں ۔ ترمذی

(باقی صفحہ ۵۸ پر)

دارالافتاء
جامعہ مدنیہ لاہور

حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالواحد
مُدرّس و نائب مُفتی و فاضل جامعہ مدنیہ

سوال نمبر ۱
ایک شخص نے کسی سے کچھ رقم مثلاً دو لاکھ روپے ادھار لی اور کہا کہ ایک ماہ بعد دے دوں گا، بدقسمتی سے ایک ماہ گزر گیا اور یہ رقم ادا نہ کر سکا قرض خواہ (جس سے رقم ادھار لی تھی) نے کہا کہ جب تک تم میری رقم نہیں دیتے اس وقت تک کے لیے مجھے ہر ماہ اتنے فیصد منافع دو قرض دار نے مجبوراً مان لیا اور ہر ماہ منافع دینا شروع کر دیا یہ منافع اصل رقم سے بھی دو تین گنا زیادہ چلا گیا، لیکن اصل رقم (دو لاکھ روپے) ادا نہیں ہو سکی، اسی دوران قرض خواہ مر گیا، اس کے ورثہ قرض دار کے پاس آئے اور کہا کہ تمہارے ذمّہ دو لاکھ رقم اُدھار کی نکلتی ہے وہ ادا کرو، قرضدار نے کہا کہ میں تو اصل رقم سے بھی دو تین گُنا زیادہ رقم دے چکا ہوں۔ اب میرے ذمہ کچھ نہیں ہے بلکہ جو رقم میں نے زیادہ دے دی ہے وہ مجھے واپس کرو، قرض خواہ کے ورثہ یہ جواب سُن کر خاموش ہو گئے اور اصل رقم (دو لاکھ روپے) نہیں لی۔ قرض دار کو بعد میں خیال آیا کہ نفع والی رقم تو میں نے سود میں دی وہ تو مجھ سے گناہ ہوا جس پر مجھے ندامت ہے، تاہم سوال یہ ہے کہ کیا اصل رقم (دو لاکھ روپے) میرے ذمّہ آتی ہے اور میں وہ قرض خواہ کے ورثہ کو دوں یا اب وہ میرے ذمّہ باقی نہیں رہی اور میں اگر ادائیگی سے بچ سکوں تو بچ جاؤں؟ قیامت میں تو مجھے نہیں دینی پڑے گی؟

سوال نمبر۲۔ آجکل صرافہ بازار میں اچھے اچھے دیندار لوگ اس طرح کر رہے ہیں کہ کچھ سونا مثلاً

سو تولے کسی شخص کو اُدھار دے دیتے ہیں۔ مُدّتِ مقررہ تک کے لیے اور یہ طے کر لیتے ہیں کہ جب تک چاہو سونا استعمال کرو بس ہمیں دس ہزار روپے یا پندرہ ہزار روپے ماہوار دیتے رہو، چنانچہ جس نے سونا لیا ہوتا ہے وہ ہر ماہ دس یا پندرہ ہزار روپے قرض خواہ کو دیتا رہتا ہے اور سونا استعمال کرتا رہتا ہے جب مُدّت ختم ہوجاتی ہے تو اصل سونا (سو تولے) واپس کر دیتا ہے دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا یہ صُورت شرعاً جائز ہے کیا اس صُورت میں سُود لازم نہیں آتا ؟ کیا اس طرح کا کاروبار کرنے والے لوگ گنہگار نہیں ہوتے ؟

الجواب باسم ملهم الصواب حامدا ومصليا

① جبکہ شریعت نے سود کے لینے دینے پر سخت وعید ذکر کی ہے تو مسلمان کی شان سے بعید ہے کہ وہ سود کے لین دین کا معاملہ کرے اور جہاں تک ہو سکے ہم اس کے عمل کو غیر سودی طریقے پر محمول کریں گے۔ لہٰذا یہ سمجھا جائے گا کہ مثلاً دس دس پندرہ پندرہ ہزار کر کے دو لاکھ تک کی جو رقم قرض دار نے ادا کی وہ اصل رقم ادا کی اور قرض خواہ نے اپنی اصل رقم وصول کی اگرچہ وہ اس کو سود یا نفع ہی خیال کرتے رہے ہوں۔

البتّہ دو لاکھ یعنی اصل قرض سے زائد رقم جو قرضدار نے ادا کی اور قرض خواہ نے وصول کی وہ سود میں شمار کی جائے گی۔

لہٰذا قرض دار کے ذمّہ اصل قرضہ تو اب باقی نہیں رہا اور قیامت کے دن اس کے دینے پر تو اس سے مطالبہ نہیں ہو گا، لیکن اس نے جو سودی معاملہ کیا اور سود دیتا رہا اس پر اس کو خوب توبہ واستغفار کرنا چاہیے کیونکہ یہ کام تو اللہ تعالیٰ کے غصّے کو بہت ہی بھڑکانے والا ہے۔

② یہ تو نُرا سود ہے اور سود کی بُرائی وحرمت سے تو ہر مُسلمان واقف ہے خواہ کوئی بھی ہو، جانتے بُوجھتے ایسا کرنا تو اپنی بدبختی کو دعوت دینا ہے۔ کیا عجب کہ موجودہ دَور میں مسلمانوں کی ذلّت وتباہی کے اسباب میں سے ایک بڑا سبب یہ بھی ہو کہ حرام وحلال کی تمیز

اکثر لوگوں میں نہیں رہی۔

سود سے بچتے ہُوئے یہ لوگ یہ طریقہ اختیار کر سکتے ہَیں کہ مثلاً سو تولے سونا بجائے رائج نرخ مثلاً چار ہزار روپے تولہ کے مثلاً پانچ ہزار روپے تولہ کے حساب سے ادھار فروخت کر دیں اور قیمت جو کہ پانچ لاکھ روپے بنی اس کو قسطوں میں وصول کر لیں۔

سوال نمبر ۳

یہ کہ جس وقت اسلام نے سود کو حرام قرار دیا تھا۔ اس وقت سود خور حضرات عوام النّاس کا استحصال کیا کرتے تھے حتّٰی کہ یہود و نصارٰی کی بہت سی ایسی مثالیں موجود ہیں جن کا تذکرہ کرنا تو در کنار۔ واقعات کو پڑھنے کو بھی دل نہیں چاہتا گو اس قسم کے سود خور حضرات آج بھی موجود ہیں مگر دَورِ حاضر میں حکومت کی طرف سے بینکاری نظام رائج ہَے جہاں سے مختلف قسم کے قرضہ جات جاری کیے جاتے ہیں جن پر مختلف شرحوں سے منافع وصول کیا جاتا ہے اور انہی بینکوں میں عوام النّاس مختلف کھاتوں میں رقوم جمع کراتے ہیں ان رقوم پر بھی مختلف شرحوں سے بینک منافع دیتا ہے اور جواز میں کہا جاتا ہَے کہ ہمارا کاروبار ہَے اور جمع شُدہ سرمایہ کو ہم نقصان والے کاروبار میں نہیں لگاتے لہٰذا جو منافع ہم اپنے کھاتہ داروں میں تقسیم کرتے یا قرض خواہوں سے وصول کرتے ہیں وہ سود نہیں ہَے۔ ذیل میں بینکاری اور مختلف کھاتہ جات درج ہیں آپ فتوٰی جاری فرمائیں کہ آیا یہ کھاتہ جات جائز ہیں یا ناجائز؟

(۱) زرعی بینک مختلف چیزوں کے لیے ۱۴ فیصد منافع پر قرضے دیتا ہے؟

(۲) دیگر تمام ملکی بینک بھی مختلف شرحوں پر قرضہ جاری کرتے ہیں؟

(۳) P.L.S کھاتہ میں ہر سال مختلف شرح سے کھاتہ داروں کو منافع دیا جاتا ہو؟

(۴) میعادی کھاتے۔ ڈیفنس سرٹیفکیٹ کا منافع۔ سمال انڈسٹریز کا قرض داروں سے ۷ فیصد منافع؟ پوسٹل سرٹیفکیٹ و دیگر ہر قسم کا سرٹیفکیٹ خریدنا؟

(۵) تاج کمپنی والے ایک لاکھ روپیہ لے کر ڈیڑھ ہزار روپیہ ماہوار دے رہے ہیں۔ رقم محفوظ؟

الجواب باسم ملہم الصواب۔ حامداً و مصلیاً۔

یہ بات سمجھ لیجیے کہ کسی کو کچھ نفع حاصل کرنے کے لیے رقم دینے کی یہ صورتیں ہیں

(۱) قرض ـــــ قرض دو قسم کا ہے غیر تجارتی مقاصد کے لیے اور تجارتی مقاصد کیلئے

(۲) مضاربت ـــــ ایک کی جانب سے سرمایہ اور دوسرے کی جانب سے عمل۔

(۳) شرکت ـــــ دونوں کی جانب سے سرمایہ و عمل۔

قرض کی دونوں قسمیں ان پر جو اضافی رقم واپس لی جائے وہ سود ہے اور شریعت میں حرام ہے۔ خود عربوں میں دورِ جاہلیّت میں جہاں غیر تجارتی مقاصد کے لیے قرض لیہ جاتا تھا وہیں تجارتی مقاصد کے لیے بھی قرض لیا جاتا تھا۔ بنو عامر کا قبیلہ بنو مغیرہ کے قبیلے سے پیداواری ضروریات کے لیے دیے گئے قرضوں پر سود لیتا تھا۔ اسلام نے ہر قسم کے سود کو منع کر دیا اور اس میں کوئی فرق نہیں کیا سود لینے یا دینے والا حکومتی ادارہ ہے یا کوئی فرد ہے۔

مضاربت اور شرکت کو اسلام نے جائز کہا لیکن ان میں ضرورت ہے کہ مضاربت یا شرکت کر کے جو کاروبار کیا جائے وہ شریعت کے بنائے ہوئے اُصول و شرائط کے مطابق جائز طریقے سے ہو ناجائز طریقے سے نہ ہو۔ نفع حاصل کرنے کے لیے جو معاہدات کیے جائیں وہ نہ تو فاسد و باطل ہوں اور نہ سودی ہوں۔ چونکہ عمل کرنے والا سرمایہ والے کا وکیل ہوتا ہے لہٰذا عامل کا عمل سرمایہ والے کا عمل شمار ہوتا ہے۔ اس طرح سرمایہ والا یہ کہہ کر اپنی جان نہیں چھڑا سکتا کہ عمل و تجارت کرنے والا دوسرا ہے۔ ہمارے ہاں بینک کے جو شراکتی PLS کھاتے کھلے ہیں یا اور حکومتی اسکیمیں چل رہی ہیں ان میں ایسا ہے کہ بینک یا دیگر ادارے سودی معاملات بھی کرتے ہیں اور فاسد معاملات بھی کرتے ہیں۔ بعض معاملات کے صحیح ہونے سے دیگر غلط معاملات کی حیثیت نہیں بدلتی۔ اس بنا پر ان اداروں میں سرمایہ لگانا جائز نہیں۔ یہ وجہ[عہ] امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک ہے۔ امام ابوحنیفہ رح

عہ امر المسلم ببیع خمر أو خنزیر أو شرائهما ای وکل المسلم ذمیا أو

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کے نزدیک بھی حکم عدمِ جواز کا ہے اور حاصل شدہ نفع کو صدقہ کرنا واجب ہے۔
غرض سوال میں جو پانچ صورتیں لکھی ہیں وہ سب ناجائز ہیں۔ تاج کمپنی والوں نے دو صورتیں چلائی ہوئی ہیں ایک سودی اور دوسری نفع و نقصان میں شرکت لیکن ہم نے تحقیق کی ہے اور اُن کی نفع و نقصان میں شرکت والی صورت بھی صحیح نہیں ہے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) امر المحرم غیرہ ای غیر المحرم ببیع صیدہ یعنی صح ذلک عند الامام مع أشد کراھة ... لان العاقد یتصرف باھلیته وانتقال الملك الی الآمر امر حکمی وقالا لا یصح وھو الاظھر (درمختار) لھما ان المؤکل لا یلیه فلا یولیه غیرہ ولان ما یثبت للوکیل ینتقل الموکل فصار کانه باشرہ بنفسه ——— (ہدایہ)

جبکہ زیرِ بحث صورت میں تو خود وکیل کے لیے بھی ان تصرفات کا کرنا جائز نہیں ہے۔ اس پر اکتفا کافی نہیں کہ سرمایہ والے نے تو کام کرنے والے بینک یا کسی دوسرے ادارے کو اس قسم کے فاسد یا باطل تصرفات کرنے کا حکم نہیں دیا کیونکہ ان اداروں کے کام کرنے کی اپنی متعین پالیسی ہوتی ہے جو کہ ظاہر اور مشتہر ہوتی ہے لہٰذا جو کوئی بھی ان میں اپنا سرمایہ لگاتا ہے وہ درحقیقت یہ جانتے بوجھتے لگاتا ہے کہ اس کا سرمایہ اس کے تعاون کی بناء پر ان تصرفات میں لگے گا اور گناہ پر تعاون خود گناہ کی بات ہے۔

بقیہ: پردہ

شریف کی روایت میں ہے۔ عورت رحمتِ الٰہی سے اس وقت زیادہ قریب رہتی ہے جب وہ اپنے گھروں کے اندر رہتی ہے۔

ان تمام آیات قرآنی، احادیث اور اقوالِ سلف سے یہ بات اچھی طرح ثابت ہو گئی ہے کہ عورتوں کو ہر صورت میں حیادار باعفت وعصمت رہنے کا حکم دیا گیا ہے اور اُس کے حصول کا بہت بڑا ذریعہ "پردہ" ہے۔

مولانا نعیم الدین صاحب، فاضل و مدرس جامعہ مدنیہ

خدمت میں خدا ہے

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ایک مرتبہ مسجد نبوی (علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام) میں معتکف تھے، آپ کے پاس ایک شخص آیا اور سلام کر کے (چپ چاپ) بیٹھ گیا، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس سے فرمایا کہ میں تمہیں غمزدہ اور پریشان دیکھ رہا ہوں کیا بات ہے، اُس نے کہا اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے بیٹے میں بے شک پریشان ہوں کہ فلاں کا مجھ پر حق ہے (اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی طرف اشارہ کر کے) کہا اس قبر والے کی عزت کی قسم میں اس حق کے ادا کرنے پر قادر نہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اچھا کیا میں اس سے تیری سفارش کروں اُس نے عرض کیا کہ جیسے آپ مناسب سمجھیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما یہ سُن کر جوتہ پہن کر مسجد سے باہر تشریف لائے، اس شخص نے عرض کیا کہ آپ اپنا اعتکاف بھول گئے؟ فرمایا بھولا نہیں ہوں بلکہ میں نے اس قبر والے (صلی اللہ علیہ وسلم) سے سُنا ہے اور ابھی زمانہ کچھ زیادہ نہیں گزرا (یہ لفظ کہتے ہوئے) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے کہ

"مَنْ مَشٰی فِیْ حَاجَۃِ اَخِیْہِ وَبَلَغَ فِیْھَا کَانَ خَیْرًا لَّہٗ مِنَ اعْتِکَافِ عَشْرِ سِنِیْنَ وَمَنِ اعْتَکَفَ یَوْمًا اِبْتِغَآءَ وَجْہِ اللّٰہِ جَعَلَ اللّٰہُ بَیْنَہٗ وَبَیْنَ النَّارِ ثَلٰثَ خَنَادِقَ اَبْعَدَ مِمَّا بَیْنَ الْخَافِقَیْنِ"

جو شخص اپنے بھائی کے کسی کام میں چلے پھرے اور کوشش کرے اس کے لیے دس برس کے اعتکاف سے افضل ہے اور جو شخص ایک دن کا اعتکاف بھی اللہ کی رضا کے واسطے کرتا ہے تو حق تعالیٰ شانہ اس کے اور جہنم کے درمیان تین خندقیں

آڑے فرما دیتے ہیں جن کی مسافت آسمان و زمین کی مسافت سے بھی زیادہ چوڑی ہے[1]

خواجہ بزرگ اور ایک کسان

ایک دن ایک غریب کسان خواجہ بزرگ حضرت خواجہ معین الدّین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۶۳۲ھ) کی خدمت میں حاضر ہُوا اور عرض کیا "حاکم نے میرے کھیتوں کی پیداوار روک لی ہے، کہتا ہے جَب تک شاہی فرمان نہ لاؤ گے پیداوار میں سے دانہ نہ ملے گا، حضرت میری زندگی کا ذریعہ بھی پیداوار ہے پیداوار رُک گئی تو میرے بچّے بھُوکے مرجائیں گے۔" حضرت نے فرمایا فرمان مل جانے پر تو پیداوار نہ رُکے گی، کسان نے عرض کیا شاہی فرمان کے بعد کیا مجال ہے کہ کوئی چوں بھی کر سکے، حضرت نے فرمایا ایسا فرمان کیوں نہ لے لیا جائے کہ جب تک زمین رہے حاکم پیداوار نہ روکے کسان نے خوش ہوکر کہا پھر تو کیا کہنا حضرت اپنے مرید خواجہ قطب الدین کو سفارش نامہ لکھ دیں بادشاہ اُن کا مرید ہے بس ساری مشکل آسان ہوجائے گی، حضرت نے فرمایا، میں تیرے ساتھ چلوں گا اور تجھے فرمان مل جائے گا۔ دلّی میں کسی کو اطّلاع بھی نہ تھی کہ حضرت تشریف لا رہے ہیں۔ اتّفاق سے کسی نے راستے میں دیکھ لیا اور خواجہ قطب الدین رح کو خبر پہنچا دی۔ خواجہ قطب نے بادشاہ سے ذکر کر دیا۔ بادشاہ نے فوجوں سمیت حضرت کو خوش آمدید کہا، خواجہ قطب نے پُوچھا کہ حضور اچانک کیوں تشریف لائے ہیں؟ کوئی کام تھا تو مجھ ناچیز کو تحریر فرما دیتے، حضرت نے فرمایا۔

"قطب الدین جب یہ کسان میرے پاس آیا تو اپنی بیکسی کے سبب خدا سے اتنا قریب تھا کہ اس کام میں شریک ہونا خدا کی عین بندگی تھی، میں حق تعالیٰ کی بندگی حاصل کرنے آیا ہُوں"۔

غریب کسان کا کام ہوگیا اور حضرت خوش ہو گئے۔[2]

حضرت خواجہ صاحب رح کی تعلیم

حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی عام تعلیم تھی کہ حاجت مندوں کی مدد کرنے والا اللہ کا دوست ہے۔ اگر کوئی شخص اوراد و وظائف میں مشغول ہو اور کوئی حاجت مند آجائے تو لازم ہے کہ وہ اوراد و وظائف کو چھوڑ کر اسکی طرف متوجہ ہو اور اپنے مقدور کے مطابق اس کی

---

[1] فضائل رمضان، ص: ۶۵ [2] معین الارواح بحوالہ خاصانِ خدا، ص: ۶۵ -

حاجت پوری کرے ، [1]

خدمت خلق اللہ

حضرت شیخ رُکن الدّین (المتوفی ۱۳۳۴ء - ۷۳۵ھ) کا معمول تھا کہ جب وہ سلطان قطب الدّین خلجی کے پاس تشریف لے جاتے تو راستہ میں اپنی سواری کے تختِ رواں کو ٹھہراتے جاتے تاکہ اہلِ ضرورت اپنی درخواستیں سلطان کی خدمت میں پیش کرنے کے لیے اُن کی سواری میں ڈال دیں بعض ضرورت مندوں کی معروضات زبانی بھی سُنتے تھے ، شاہی محل کے پاس پہنچ کر دو دروازوں تک تخت رواں پر سوار رہتے ، تیسرے دروازے کے قریب سلطان اُن کی تعظیم اور استقبال کے لیے کھڑا نظر آتا تو وہ اُتر جاتے ، سلطان بڑے ادب سے اُن کو دربار میں لے جاکر بٹھاتا اور خود مودّب دو زانو ہوکر اُن کے سامنے بیٹھ جاتا۔ اس کے بعد حضرت شیخ رُکن الدّین رح شہر کے لوگوں کی درخواستیں سلطان کے سامنے پیش کرتے۔ وہ ہر ایک درخواست کو غور سے پڑھتا اور اس کی پشت پر اسی وقت حکم صادر کر دیتا۔ حضرت شیخ رُکن الدّین رح واپسی کے وقت تمام درخواستوں کو ساتھ لیتے آتے۔ [2]

خلق اللہ کی دوستی

سلطان محمود غزنوی کی صُورت اچھی نہ تھی ایک روز وہ اپنے حجرۂ خاص میں نماز پڑھ رہا تھا کہ دو غلاموں نے اسکے سامنے آئینہ اور کنگھی لاکر رکھ دی اس کے بعد ہی اسکا وزیر شمس الکفاۃ احمد حسن حجرہ میں آیا اور تعظیم بجالایا ، سلطان محمود نے نماز پڑھ کر اپنی قبا پہنی سر پر کلاہ رکھی لیکن آئینہ میں اپنے چہرہ کو دیکھ کر مسکرایا اپنے وزیر احمد حسن سے کہا کہ تم بتا سکتے ہو کہ اس وقت میرے دل میں کیا خیال گزر رہا ہے وزیر نے کہا خداوند خود ہی بتائیں۔ سلطان محمود نے کہا میں ڈرتا ہوں کہ لوگ مجھ کو اپنا دوست نہیں سمجھتے ہوں گے کیونکہ لوگ ایسے ہی بادشاہ کو اپنا دوست سمجھنے کے عادی ہیں جسکی صُورت بھی اچھی ہو احمد حسن نے کہا خداوندا ! ایک ہی کام سے لوگ آپ کو اپنی جان اور اپنے زن و فرزند سے عزیز تر رکھ سکتے ہیں اور آپکا فرمان آگ اور پانی پر بھی جاری ہو سکتا ہے سلطان نے پُوچھا وہ کام میں کیا کروں احمد حسن نے کہا دولت کو اپنا دشمن سمجھیں پھر تمام لوگ آپکے دوست ہو جائیں گے سلطان محمود کو یہ بات پسند آگئی اور اسی کے بعد سے اسکا ہاتھ بخشش اور خیرات کیلئے کشادہ ہو گیا اور پھر ہر طرف اسکی تعریف کی صدا گونجتی رہی۔ [3]

---

[1] ہندوستان کے سلاطین ، علماء اور مشائخ کے تعلقات پر ایک نظر ص : ۴۱۲ [2] (بزم رفتہ کی سچی کہانیاں ص ۹ ج ۱)

تبصرہ

نام کتاب : شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی رح کی ایمان افروز باتیں
مصنّف : حضرت مولانا ابوالحسن بارہ بنکوی مدظلّہ
صفحات : ۲۴۰
ناشر : مجلس یادگار شیخ الاسلام کراچی
قیمت : ۶۰/=

شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت اُن نابغۂ روزگار شخصیات میں سے ہے جو جامع الصفات اور گوناگوں خصوصیات کی حامل ہوتی ہیں آپ کی شخصیت سے متعلّق جس انداز سے کام ہونا چاہیے تھا۔ افسوس کہ تا حال وہ نہیں ہوسکا۔ تاہم جتنا کام بھی ہُوا یا ہو رہا ہے اسے ہم قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں مشہور محاورہ ہے
مالا یدرك كله لا يترك كله ،

زیرِ نظر کتاب "حضرت شیخ الاسلام کی ایمان افروز باتیں" حضرت مدنی علیہ الرحمہ کے ایک مسترشد اور آپ کی بارگاہ کے حاضر باش حضرت مولانا ابوالحسن بارہ بنکوی مدظلّہ کی تصنیف ہے۔ اس کتاب میں مولانا موصوف نے "مکتوباتِ شیخ الاسلام" میں سے انتخاب کر کے حضرت مدنی علیہ الرحمۃ کے انتہائی وقیع اور نہایت قیمتی ارشادات و فرمودات کو بڑی خوبصورتی کے ساتھ جمع فرمایا ہے، حضرت شیخ الاسلام رح کے یہ ارشادات متنوع الاقسام ہیں جن میں کتاب و سُنّت شریعت و طریقت، اعتقادات و عبادات معاملات و معاشرت، سیاسیات و اخلاقیات وغیرہا سے متعلّق بیش بہا معلومات ہیں جنہیں پڑھ کر آنکھوں کو نُور اور دل کو سرور حاصل ہوتا ہے معلومات میں اضافہ ہوتا ہے ایمان کو جلا ملتی ہے۔

مولانا ابوالحسن صاحب مدظلّہ کی قلمِ حقیقت رقم سے حضرت شیخ الاسلام کے ارشادات و

فرمودات کے دو مجموعے (۱) ملفوظات شیخ الاسلام (۲) فرمودات حضرت مدنیؒ۔ اس سے قبل شائع ہوچکے ہیں اس لحاظ سے یہ کتاب حضرت مدنی علیہ الرحمۃ کے ملفوظات کا تیسرا مجموعہ ہے، مولانا موصوف نے حضرت شیخ الاسلام کی شخصیت پر بھی ایک کتاب "شیخ الاسلام کے حیرت انگیز واقعات" کے نام سے لکھی ہے جو پاک وہند میں کئی اداروں کی طرف سے شائع ہوچکی ہے، اللہ تعالیٰ مولانا موصوف کا سایہ ہمارے سروں پر سلامت رکھے تاکہ وہ حضرت شیخ الاسلام کی زندگی کے مخفی گوشوں اور آپ کی ایمان افروز باتوں سے آئندہ نسلوں کو روشناس کراکر اُن کے ایمان کو جلا بخشتے رہیں، اسی کے ساتھ ساتھ مجلس یادگار شیخ الاسلام کراچی کے احباب بھی مبارکباد کے مستحق ہیں کہ اُنھوں نے مذکورہ کتاب پاکستان میں طبع کی اور اُنھوں نے اپنا نصب العین یہی قرار دیا کہ وہ حضرت شیخ الاسلام کی تصانیف اور ملفوظات کو علماء وعوام تک پہنچانا چاہتے ہیں، الغرض یہ تازہ ترین کتاب "حضرت شیخ الاسلام کی ایمان افروز باتیں" اپنی ظاہری ومعنوی خوبیوں کے ساتھ لاہور وکراچی کے کُتب خانوں میں دستیاب ہے، ڈائی دار جلد عمدہ کتابت وطباعت ہے کاغذ خوبصورت ہے۔ قیمت مناسب ہے۔ قارئین ضرور اس سے استفادہ فرمائیں۔ (ن-ا)

انوارِ مدینہ

نہ پہنچنے یا تاخیر سے پہنچنے کی شکایت حافظ محمد یعقوب صاحب خادمِ "انوارِ مدینہ" جامعہ مدنیہ کریم پارک راوی روڈ لاہور سے کی جائے، خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیا جائے۔ (ادارہ)